رسالہ

اَجلَی الاِعلام اَنّ الفتوٰی مُطلقًا علٰی قولِ الاِمام ۱۳۳۴ھ

(روشن تر آگاہی کہ فتوٰی قولِ امام پر ہے)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الحفی، علی دینہ الحنفی، الذی اید نا بائمۃ یقیمون الاود، ویدیمون المدد، باذن الجواد الصمد، وجعل من بینھم امامنا الاعظم کالقلب فی الجسد، والصلوۃ والسلام، علی الامام الاعظم للرسل الکرام الذی

ہر ستائش خدا کے لئے جو دین حنفی پر نہایت مہربان ہے، جس نے ہمیں ایسے ائمہ سے قوت دی جو جود وسخا والے بے نیاز رب کے اذن سے کجی درست کرنے والے اور ہمیشہ مدد پہنچانے والے ہیں، اور ان کے درمیان ہمارے امام اعظم کو یوں رکھا جیسے جسم میں قلب کو رکھا ــــ اور درود و سلام ہو معزز رسولوں کے امام اعظم پر جن کا یہ

ف: رسالہ جلیلہ اس امر کی تحقیق عظیم میں کہ فتوٰی ہمیشہ قولِ امام پر ہے اگرچہ صاحبین خلاف پر ہوں اگرچہ خلاف پر فتوٰی دیا گیا ہوا خلاف زمانہ وضرورت وتعامل وغیرہا جن وجوہ سے قولِ دیگر پر فتوے مانا جاتا ہے وہ درحقیقت قولِ امام ہی ہوتا ہے۔

جاء ناحقا من قوله المأمون، استفت[ع] قلبك و ان افتاك المفتون، وعليهم وعلٰى اٰله و اٰلهم وصحبه وصحبهم و فئامه و

ارشادِ گرامی بجا طور پر ہمیں ملا کر اپنے قلب سے فتوٰی دریافت کر اگرچہ مفتیوں کا فتوٰی تجھے مل چکا ہو۔ اور (درود وسلام ہو) ان رسولوں پر یوں ہی سرکار کے آل واصحاب وجماعت پر اور حضرات رسل کے

ع[ـه] جعل الامام الاعظم کالقلب ثم ذکر هذا الحدیث "استفت قلبك و ان افتاك المفتون" فاکرم به من براعة استهلال[و] الحدیث رواه الامام احمد[۱] والبخاری فی تاریخه عن وابصة بن معبد الجهنی رضی الله تعالٰی عنه بسند حسن بلفظ استفت نفسك[۲] وروی احمد بسند صحیح عن ابی ثعلبة الخشنی رضی الله تعالٰی عنه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم البر ما سکنت الیه النفس و اطمأن الیه القلب والاثم ما لم تسکن الیه النفس ولم یطمئن الیه القلب و ان افتاك المفتون[۳] ۱۲ منه غفر له۔

پہلے امام اعظم کو قلب کی طرح قرار دیا پھر یہ حدیث ذکر کی "اپنے قلب سے فتوٰی طلب کر اگرچہ مفتیوں کا فتوٰی تجھے مل چکا ہو" اس میں کیا ہی عمدہ براعتِ استہلال ہے (یعنی یہ اشارہ ہوجاتا ہے کہ قلب ــــ امام اعظم ــــ کا فتوٰی راجح ہوگا اگرچہ دوسرے فتوے اس کے برخلاف ہوں) حدیثِ مذکور امام احمد نے مسند میں اور امام بخاری نے تاریخ میں وابصہ بن معبد جہنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسندِ حسن روایت کی ہے اس کے الفاظ میں "استفت نفسك" ہے یعنی تو اپنی ذات سے فتوٰی طلب کر ــــ اور امام احمد نے بسندِ صحیح ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ذریعہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے یوں روایت کی ہے: نیکی وہ ہے جس میں نفس کو سکون اور قلب کو اطمینان ملے اور گناہ وہ ہے جس سے نفس کو سکون اور قلب کو اطمینان نہ ہو اگرچہ فتوٰی دینے والے (اس کی درستی کا) فتوے دے دیں ۱۲ منہ (ت)

---

[۱] مسند احمد بن حنبل | عن وابصۃ بن معبد رضی اللہ عنہ | المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۲۲۸
اتحاف السادۃ المتقین | الباب الثانی | دار الفکر بیروت ۱/ ۱۶۰

[۲] التاریخ البخاری | ترجمہ ۲۳۴ محمد ابو عبداللہ الاسدی | دار الباز مکۃ المکرمۃ ۱/ ۱۴۵
الجامع الصغیر | حدیث ۹۹۱ | دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۶۶

[۳] مسند احمد بن حنبل | حدیث ابی ثعلبۃ الخشنی | المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۱۹۴

فنامهم، الى يوم يدعى كل اناس بامامهم، أمين اعلم رحمك الله تعالى واياك، وتولى بفضله هداى وهداك، انه قال العلامة المحقق البحر في صدر قضاء البحر بعد ما ذكر تصحيح السراجية ان المفتي يفتي بقول ابي حنيفة على الاطلاق[1] وتصحيح حاوي القدسي اذا كان الامام في جانب وهما في جانب ان الاعتبار لقوة المدرك[2] مانصه فان قلت كيف جاز للمشائخ الافتاء بغير قول الامام الاعظم مع انهم مقلدون له قلت قد اشكل على ذلك مدة طويلة ولم ار فيه جوابا الا مافهمته الأن من كلامهم وهو انهم نقلوا عن اصحابنا[ع] انه لا يحل

آل واصحاب اور جماعت پر بھی اس روز تک جبکہ ہر گروہ کو اس کے امام وپیشوا کے ساتھ بلایا جائے گا — الٰہی! قبول فرما — آپ کو معلوم ہو، خدا مجھ پر اور آپ پر رحم فرمائے، اور اپنے فضل سے مجھے اور آپ کو راہِ راست پر چلائے — کہ علامہ محقق صاحب بحر رائق نے البحر الرائق کتاب القضاء کے شروع میں پہلے یہ دو تصحیحیں ذکر کیں (۱) تصحیح سراجیہ: مفتی کو مطلقاً قولِ امام پر فتویٰ دینا ہے۔ (۲) تصحیح حاوی قدسی: اگر امام اعظم ایک جانب ہوں اور صاحبین دوسری جانب تو قوتِ دلیل کا اعتبار ہوگا — اس کے بعد وہ یوں رقم طراز ہیں: اگر یہ سوال ہو کہ مشائخ کو یہ جواز کیسے ملا کہ وہ امام اعظم کے مقلد ہوتے ہوئے ان کا قول چھوڑ کر دوسرے کے قول پر فتویٰ دیں؟ — تو میں کہوں گا کہ یہ اشکال عرصۂ دراز تک مجھے درپیش رہا اور اس کا کوئی جواب نظر نہ آیا — مگر اس وقت ان حضرات کے کلام سے اس اشکال کا یہ حل سمجھ میں آیا کہ حضرات مشائخ نے ہمارے اصحاب سے یہ ارشاد نقل

ع قال الرملي هذا مروي عن ابي حنيفة رضي الله تعالى عنه وكلامه هنا موهم ان ذلك مروي عن المشائخ كما هو

یہاں خیر الدین رملی اعتراض فرماتے ہیں کہ یہ بات امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، اور کلامِ بحر سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ یہ بات حضرات مشائخ سے مروی ہے جیسا کہ اس کے سیاق (باقی بر صفحہ آئندہ)

---

[1] و [2] البحر الرائق کتاب القضاء فصل فی التقلید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۲۶۹

لاحد ان یفتی بقولنا حتی — فرمایا ہے کہ: کسی کے لئے ہمارے قول پر فتوٰی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ظاہر من سیاق اھ[1] اقول ای حرف[ف1] فی کلامہ یوھم روایتہ عن المشائخ وای سیاق یظھرہ انما جعل خلاف المشائخ لانھم منھیون عن الافتاء بقول الاصحاب مالم یعرفوا دلیلہ فھم منھیون لاناھون اما الاصحاب[ف2] فنعم روی عنھم کما روی عن الامام رضی اللہ تعالٰی عنھم فی مناقب الامام للامام الکردری عن عاصم بن یوسف " لم یر مجلس انبل من مجلس الامام وکان انبل اصحابہ اربعۃ زفر وابویوسف وعافیۃ واسد بن عمرو وقالوا لایحل لاحد ان یفتی بقولنا حتی یعلم من

سے ظاہر ہے اھ اقول کلامِ بحر کے کس حرف سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے اور کس سیاق سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ قول حضرات مشائخ سے مروی ہے؟ بحر نے تو بس یہ بتایا ہے کہ مخالفت مشائخ کی وجہ یہ ہے کہ انھیں معرفت دلیل کے بغیر قولِ اصحاب پر فتوٰی دینے سے ممانعت تھی جس سے معلوم ہوا کہ مشائخ اس کام سے ممنوع تھے نہ یہ کہ وہ خود مانع تھے — اب رہی یہ بات کہ قول مذکور نہ صرف امام اعظم بلکہ ان کے اصحاب سے بھی منقول ہے تو ہاں واقعی ہے حضرات اصحاب سے بھی اسی طرح منقول ہے جیسے حضرت امام سے منقول ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم — امام کردری کی تصنیف مناقبِ امام اعظم میں عاصم بن یوسف سے یہ روایت ہے کہ: امام اعظم کی مجلس سے زیادہ معزز کوئی مجلس دیکھنے میں نہ آئی — اور ان کے اصحاب میں زیادہ معزز و بزرگ چار حضرات تھے (۱) زفر (۲) ابویوسف (۳) عافیہ (۴) اسد بن عمرو —

(باقی برصفحہ آئندہ)

ف۱: تطفل علی العلامۃ الرملی والشامی

ف۲: تطفل علیھما۔

[1] منحۃ الخالق علی بحر الرائق کتاب القضاء فصل یجوز تقلید من شاء الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/۲۶۹

یعلم من این قلنا حتی نقل فی السراجیة ان ھذا سبب مخالفة عصام للامام وکان یفتی بخلاف قولہ کثیرا لانہ لم یعلم الدلیل وکان یظہر لہ دلیل غیرہ فیفتی بہ فاقول ان ھذا الشرط کان فی زمانھم اما فی زماننا فیکتفی بالحفظ کما فی القنیة وغیرھا فیحل الافتاء بقول الامام بل یجب

دینا روا نہیں جب تک اسے یہ علم نہ ہو جائے کہ ہمارا ماخذ اور ہمارے قول کی دلیل کیا ہے۔ یہاں تک کہ سراجیہ میں منقول ہے کہ اسی وجہ سے شیخ عصام سے امام اعظم کی مخالفت عمل میں آئی، ایسا بہت ہوتا کہ وہ قول امام کے برخلاف فتوٰی دیتے کیونکہ انھیں دلیل امام معلوم نہ ہوتی اور دوسرے کی دلیل ان کے سامنے ظاہر ہوتی تو اسی پر فتوٰی دیتے۔ (صاحب بحر فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں یہ شرط حضرات مشایخ کے زمانے میں تھی لیکن ہمارے زمانے میں بس یہی کافی ہے کہ ہمیں امام کے اقوال حفظ ہوں جیسا کہ قنیہ وغیرہ میں ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

این قلنا ولا ان یروی عنا شیئا لم یسمعہ منا[1] و فیھا عن ابن جبلة سمعت محمدا یقول لایحل لاحد ان یروی عن کتبنا الا ما سمع او یعلم مثل علمنا[2] ۱۲ منہ غفرلہ۔

ان حضرات نے فرمایا: کسی کے لئے ہمارے قول پر فتوٰی دینا اس وقت تک روا نہیں جب تک اُسے یہ نہ معلوم ہو جائے کہ ہم نے کہاں سے کہا ہے، نہ ہی اس کے لئے یہ روا ہے کہ ہم سے کوئی ایسی بات روایت کرے جو ہم سے سُنی نہ ہو۔ اسی کتاب میں ابن جبلہ کا یہ بیان مروی ہے کہ میں نے امام محمد کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ کسی کے لئے ہماری کتابوں سے روایت کرنا روا نہیں مگر وہ جو خود اس نے سُنا ہو یا وہ جو ہماری طرح علم رکھتا ہو ۱۲ منہ (ت)

---

[1] المناقب للکردری ذکر عافیة بن یزید الاودی الکوفی مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ۲/ ۲۱۴

[2] " " اقوال الامام الشافعی فی تعظیم الامام محمد بن الحسن مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ۲/ ۱۵۲

وان لم نعلم من این قال
وعلی هذا فما صححه فی
الحاوی مبنی علی ذلک
الشرط وقد صححوا ان الافتاء
بقول الامام فینتج من هذا
انه یجب علینا الافتاء بقول الامام
وان افتی المشائخ بخلافه
لانهم انما افتوا بخلافه لفقد
شرطه فی حقهم و
هو الوقوف علی دلیله و
اما نحن فلنا الافتاء وان لم
نقف علی دلیله وقد وقع
للمحقق ابن الهمام فی مواضع
الرد علی المشائخ فی الافتاء
بقولهما بانه لا یعدل عن
قوله الا لضعف دلیله و
هو قوی فی وقت العشاء
لکونه الاحوط وفی تکبیر
التشریق فی آخر وقته
الی آخر ما ذکره فی
فتح القدیر لکن هو
اهل للنظر فی الدلیل
ومن لیس باهل للنظر فیه
فعلیه الافتاء بقول الامام
والمراد بالاهلیة هنا ان

تو اب اگرچہ ہمیں قولِ امام کی دلیل معلوم نہ ہو،
قولِ امام پر فتویٰ دینا جائز بلکہ واجب ہے —
اس تفصیل کے پیشِ نظر تصحیحِ حاوی کی بنیاد وہی شرط
ہے جو حضرات مشایخ کے لئے اس زمانے میں تھی.
اور اب علما نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے کہ قولِ امام
پر ہی فتویٰ ہوگا، جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہم پر
یہی لازم ہے کہ قولِ امام پر فتویٰ دیں اگرچہ مشایخ
اس کے برخلاف فتویٰ دے چکے ہوں اس لئے
کہ اس کے خلاف افتائے مشایخ کی وجہ یہ ہے
کہ خود قولِ امام پر فتویٰ دینے کے لئے اس کی
دلیل سے باخبر ہونے کی جو شرط ان کے حق میں تھی
وہ مفقود تھی (وہ اس کی دلیل سے باخبر نہ ہو سکے
اس لئے اس پر فتویٰ نہ دے سکے) اور ہمارے
لئے یہ شرط نہیں، ہمیں قولِ امام پر ہی فتویٰ دینا ہے
اگرچہ اس کی دلیل سے آگاہی نہ ہو — اور محقق
ابن ہمام نے تو متعدد جگہ قولِ صاحبین پر فتویٰ دینے
سے متعلق مشایخ پر رد کیا ہے اور فرمایا ہے کہ
قولِ امام سے — بجز اس کے اس کی دلیل
ضعیف ہو — انحراف نہ ہوگا اور وقتِ عشا سے
متعلق قولِ امام کی دلیل قوی ہے اس لئے کہ اسی
میں زیادہ احتیاط ہے۔ اسی طرح تکبیرِ تشریق کے
آخری وقت کی تعیین میں بھی قوتِ دلیل اس طرف
ہے — اس کے آگے فتح القدیر میں مزید بھی
ہے — لیکن امام ابن الہمام کو دلیل میں نظر و فکر
کی اہلیت حاصل تھی، جو دلیل میں نظر کی اہلیت نہیں

يكون عارفا مميزا بين الاقاويل له قدرة على ترجيح بعضها على بعض[1] اھ۔

وتعقبه العلامة ش فى شرح عقوده بقوله لايخفى عليك ما فى هذا الكلام من عدم الانتظام ولهذا اعترضه محشيه الخير الرملى بان قوله يجب علينا الافتاء بقول الامام وان لم نعلم من اين قال مضاد لقول الامام لا يحل لاحد ان يفتى بقولنا حتى يعلم من اين قلنا اذ هو صريح فى عدم جواز الافتاء لغير اهل الاجتهاد فكيف يستدل به على وجوبه فنقول ما يصدر من غير الاهل ليس بافتاء حقيقة وانما هو حكاية عن المجتهد انه قائل بكذا وباعتبار هذا الملحظ تجوز حكاية قول غير الامام فكيف يجب علينا الافتاء بقول الامام وان

رکھتا اس پر تو یہی لازم ہے کہ قولِ امام پر فتویٰ دے۔ یہاں اہلیت کا مطلب یہ ہے کہ اقوال کی معرفت اور ان کے مراتب میں امتیاز کی لیاقت کے ساتھ ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کی قدرت حاصل ہو"۔ اس کلام بحر پر علامہ شامی نے شرح عقود میں یوں تنقید کی ہے: "اس کلام کی بے نظمی ناظرین پر مخفی نہیں۔ اسی لئے اس کے محشی خیرالدین رملی نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ ایک طرف ان کا کہنا یہ ہے کہ "ہمیں قولِ امام پر فتویٰ دینا واجب ہے اگرچہ اس قول کی دلیل اور ماخذ ہمارے علم میں نہ ہو" ___ دوسری طرف امام کا ارشاد یہ ہے کہ "کسی کے لئے ہمارے قول پر فتویٰ دینا حلال نہیں جب تک اسے یہ علم نہ ہو جائے کہ ہم نے کہاں سے کہا"۔ دونوں میں تضاد ہے اس لئے کہ قولِ امام سے صراحۃً واضح ہے کہ اہلیتِ اجتہاد کے بغیر فتویٰ دینا جائز نہیں۔ پھر اس سے اس شرط کے بغیر وجوبِ افتا پر استدلال کیسے ہو سکتا ہے؟ ___ تو ہم یہ کہتے ہیں کہ غیر اہلِ اجتہاد سے جو حکم صادر ہوتا ہے وہ حقیقۃً افتا نہیں، وہ تو امام مجتہد سے صرف اس بات کی نقل و حکایت ہے کہ وہ اس حکم کے قائل ہیں جب حقیقت یہ ہے تو غیر امام کے قول کی نقل و حکایت بھی جائز ہے پھر ہم پر یہ واجب کیسے رہا کہ ہم قولِ امام ہی پر

---

[1] بحرالرائق کتاب القضاء فصل فی التقلید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/۲۶۹ و ۲۷۵

افتی المشائخ بخلافه و نحن انما
نحکی فتوٰهم لا غیر فلیتأمل
انتهٰی (وتوضیحه) ان المشائخ
اطلعوا علیٰ دلیل الامام و
عرفوا من این قال و اطلعوا
علی دلیل اصحابه فیرجحون
دلیل اصحابه علی دلیله
فیفتون به ولایظن بهم
انهم عدلوا عن قوله
لجهلهم بدلیله فانا نرٰهم
قد شحنوا کتبهم بنصب
الادلة ثم یقولون الفتوی
علی قول ابی یوسف مثلا
وحیث لم نکن نحن
اهلا للنظر فی الدلیل و
لم نصل الی رتبتهم فی
حصول شرائط التفریع والتاصیل
فعلینا حکایة ما یقولونه
لانهم هم اتباع المذهب
الذین نصبوا انفسهم لتقریره
و تحریره باجتهادهم
(وانظر) الی ما قدمناه
من قول العلامة قاسم
ان المجتهدین لم یفقدوا
حتی نظروا فی المختلف

فتویٰ دیں اگرچہ مشائخ نے اس کے برخلاف فتویٰ
دیا ہو۔ حالاں کہ ہم تو صرف فتوائے مشائخ کے ناقل
ہیں اور کچھ نہیں ـــــ یہاں تامل کی ضرورت ہے ۔
انتہی (کلامِ رملی ختم ہوا) ـــــ علامہ شامی فرماتے
ہیں ؛ اس کی توضیح یہ ہے کہ مشائخ کو دلیلِ امام سے
آگاہی حاصل ہوئی ، انھیں علم ہوا کہ امام نے کہاں
سے فرمایا ، ساتھ ہی اصحابِ امام کی دلیل سے بھی
وہ آگاہ ہوئے ، اس لئے وہ دلیلِ اصحاب کو
دلیلِ امام پر ترجیح دیتے ہوئے فتویٰ دیتے ہیں ۔
اور ان کے بارے میں یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ
انھوں نے قولِ امام سے انحراف اس لئے اختیار
فرمایا کہ انھیں ان کی دلیل کا علم نہ تھا ۔ اس لئے
کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ حضرات مشائخ نے دلائل
قائم کر کے اپنی کتابیں بھر دی ہیں اس کے بعد بھی
یہ لکھتے ہیں کہ فتویٰ مثلاً امام ابو یوسف کے قول پر
ہے ۔ اور ہمارا حال یہ ہے کہ نہ دلیل میں نظر کی
اہلیت ، نہ تاسیسِ اصول و تخریجِ فروع کی شرائط
کے حصول میں رتبۂ مشائخ تک رسائی ، تو ہمارے
ذمہ یہی ہے کہ حضرات مشائخ کے اقوال نقل کر دیں
اس لئے کہ یہی حضرات مذہب کے ایسے متبع ہیں
جنھوں نے اپنے اجتہاد کی قوت سے مذہب کی
تقریر و تحریر (اثبات و توضیح) کی ذمہ داری اُٹھا
رکھی ہے ـــــ ملاحظہ ہو علامہ قاسم کی
عبارت جو ہم پہلے پیش کر آئے ، وہ فرماتے ہیں ؛
مجتہدین پیدا ہوتے رہے یہاں تک کہ انھوں نے

ورجحوا وصححوا الى ان قال
فعلينا اتباع الراجح والعمل به كما
لو افتوا في حياتهم (وفي)
فتاوى العلامة ابن الشلبي
ليس للقاضي ولا للمفتي العدول
عن قول الامام الا اذا صرح
احد من المشائخ بان
الفتوٰى علٰى قول غيره
فليس للقاضي ان يحكم
بقول غير ابي حنيفة في
مسألة لم يرجح فيها قول
غيره ورجحوا فيها دليل ابي حنيفة
على دليله فان حكم فيها
فحكمه غير ماض ليس له
غير الانتقاض انتهى اه كلامه في
الرسالة۔

وذكر نحوه في رد المحتار
من القضاء وزاد في منحة الخالق
انت ترى اصحاب المتون
المعتمدة قد يمشون
على غير مذهب الامام
واذا افتى المشائخ بخلاف
قوله لفقد الدليل في حقهم

مقام اختلاف میں نظر فرما کر ترجیح وتصحیح کا کام سرانجام
دیا تو ہمارے اوپر اسی کی پیروی اور اسی پر عمل لازم
ہے جو راجح قرار پایا جیسے ان حضرات کے اپنی حیات
میں فتوٰی دینے کی صورت میں ہوتا ـــــ علامہ
ابن شلبی کے فتاوٰی میں مرقوم ہے کہ: قاضی یا
مفتی کو قول امام سے انحراف کی گنجائش نہیں مگر
اس صورت میں جب کہ مشایخ میں سے کسی نے یہ
صراحت فرمائی ہو کہ فتوٰی امام کے سوا کسی اور کے
قول پر ہے۔ تو قاضی کو امام کے سوا دوسرے کے
قول پر کسی ایسے مسئلہ میں فیصلہ کرنے کا حق نہیں
جس میں دوسرے کے قول کو ترجیح نہ دی گئی ہو اور
خود امام ابو حنیفہ کی دلیل کو دوسرے کی دلیل پر
ترجیح ہو، اگر ایسے مسئلے میں قاضی نے خلاف امام
فیصلہ کر دیا تو اس کا فیصلہ نافذ نہ ہوگا بے ثباتی کی
وجہ سے آپ ہی ختم ہو جائے گا۔ انتہی کلام ابن الشلبی
اھ رسالہ شامی کی عبارت ختم ہوئی۔

اسی طرح کی بات علامہ شامی نے رد المحتار
کتاب القضاء میں ذکر کی ہے اور منحۃ الخالق
حاشیۃ البحر الرائق میں مزید بر آں یہ بھی
لکھا ہے کہ: آپ دیکھتے ہیں کہ متونِ مذہب کے
مصنفین بعض اوقات مذہب امام کے سوا کوئی
اور اختیار کرتے ہیں اور جب مشایخ مذہب نے
اس دلیل کے فقدان کی وجہ سے جو ان کے حق

---

۱ شرح عقود رسم المفتی "رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۲۹

فنحن نتبعهم اذهم اعلم، وكيف يقال يجب علينا الافتاء بقول الامام لفقد الشرط وقد اقرانه قد فقد الشرط ايضا في حق المشائخ فهل تراهم ارتكبوا منكرا، والحاصل ان الانصاف الذي يقبله الطبع السليم ان المفتي في زماننا ينقل ما اختاره المشائخ وهو الذي مشى عليه العلامة ابن الشلبي في فتاواه حيث قال الاصل ان العمل على قول ابي حنيفة رضي الله تعالى عنه ولذا ترجح المشائخ دليله في الاغلب على دليل من خالفه من اصحابه ويجيبون عما استدل به مخالفه وهذا أمارة العمل بقوله وان لم يصرحوا بالفتوى عليه اذ الترجيح كصريح التصحيح لان المرجوح طائح بمقابلته بالراجح وحينئذ فلا يعدل المفتي ولا القاضي عن قوله الا اذا صرح[1] الى آخر

میں شرط ہے، قولِ امام کے خلاف فتویٰ دے دیا تو ہم ان ہی کا اتباع کریں گے اس لئے کہ انھیں زیادہ علم ہے ـــــ یہ بات کیسے کہی جاتی ہے کہ ہمارے اوپر قولِ امام پر ہی فتویٰ دینا واجب ہے اس لئے کہ ہمارے حق میں (قولِ امام پر افتا کی) شرط مفقود ہے، حالاں کہ یہ بھی اقرار ہے کہ وہ شرط مشائخ کے حق میں بھی مفقود ہے تو کیا یہ خیال ہے کہ ان حضرات نے کسی ناروا امر کا ارتکاب کیا؟ ـــــ حاصل یہ کہ طبع سلیم کے لئے انصاف کی قابلِ قبول بات یہ ہے کہ ہمارے زمانے کے مفتی کا کام یہی ہے کہ مشائخ نے جو فتویٰ دیا ہے اُسے نقل کرے۔

اسی بات پر علامہ ابنِ شلبی اپنے فتاویٰ میں گام زن ہیں، وہ فرماتے ہیں، اصل یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول پر عمل کیا جائے اسی لئے مشائخ اکثر ان ہی کی دلیل کو ان کے مخالف کی دلیل پر ترجیح دیتے ہیں اور مخالف کے استدلال کا جواب بھی پیش کرتے، یہ اس بات کی علامت ہے کہ عمل قولِ امام پر ہوگا اگرچہ ایسی جگہ حضرات مشائخ نے یہ صراحت نہ فرمائی ہو کہ فتویٰ قولِ امام پر ہے، اس لئے کہ ترجیح خود صراحۃً تصحیح کا حکم رکھتی ہے۔ کیونکہ مرجوح راجح کے مقابلے میں بے ثبات ہوتا ہے۔ جب معاملہ یہ ہے تو قاضی یا مفتی کو قولِ امام سے انحراف کی گنجائش نہیں مگر اس صورت میں جب کہ مشائخ میں سے

---

[1] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب القضاء فصل یجوز تقلید من شاء الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۲۶۹

8

مامر، قال وهو الذی مشی علیہ الشیخ علاؤ الدین الحصکفی ایضا فی صدر شرحہ علی التنویر حیث قال واما نحن فعلینا اتباع ما رجحوہ وصححوہ کما افتوا فی حیاتھم فان قلت قد یحکون اقوالا بلا ترجیح وقد یختلفون فی التصحیح، قلت یعمل بمثل ما عملوا من اعتبار تغیر العرف و احوال الناس و ما ھو الارفق وما ظھر علیہ التعامل وما قوی وجھہ و لایخلو الوجود ممن یمیز ھذا حقیقۃ لاظنا و علی من لم یمیز ان یرجع لمن یمیز لبراءۃ ذمتہ اھ و اللہ تعالٰی اعلم اھ[1]۔

کسی نے یہ صراحت فرمائی ہو (آخر عبارت تک جو فتاوی ابن شلبی کے حوالے سے پہلے گزری)۔ آگے علامہ شامی لکھتے ہیں، یہی وہ ہے جس پر شرح تنویر کے شروع میں شیخ علاء الدین حصکفی بھی گام زن ہیں، وہ رقم طراز ہیں: لیکن ہم پر تو اسی کی پیروی لازم ہے جسے حضرات مشایخ نے راجح وصحیح قرار دیا جیسے وہ اپنی حیات میں اگر فتوٰی دیتے تو ہم اسی کی پیروی کرتے۔ اگر یہ سوال ہو کہ حضرات مشایخ کہیں متعدد اقوال بلا ترجیح نقل کر دیتے ہیں اور کبھی تصحیح کے معاملے میں ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے ہیں، ان مسائل میں ہم کیا کریں؟ —— تو ہمارا جواب یہ ہوگا کہ جیسے ان حضرات نے عمل کیا ویسے ہی ہمارا عمل ہوگا یعنی لوگوں کے حالات اور عرف کی تبدیلی کا اعتبار ہوگا، یوں ہی اس کا اعتبار ہوگا جس میں زیادہ آسانی اور فائدہ ہو یا جس پر لوگوں کا عمل درآمد نمایاں ہو یا جس کی دلیل قوی ہو۔ اور بزمِ وجود کبھی ایسے افراد سے خالی نہ ہوگی جو محض گمان سے نہیں بلکہ واقعی طور پر اقوال کے درمیان اتنی تمیز رکھنے والے ہوں گے اور جس میں تمیز کی لیاقت نہ ہو اس پر عہدہ برآ ہونے کے لئے یہ لازم ہے کہ صاحبِ تمیز کی جانب رجوع کرے اھ۔ واللہ تعالٰی اعلم اھ۔

اقول وتلک شکاۃ

اقول یہ ایسی شکایت ہے جس کا

---

[1] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب القضا فصل یجوز تقلید من شاء الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/۲۶۹

طاهر عنك عارها، ولنقدم لبيان الصواب مقدمات تكشف الحجاب۔

الاولی[ف۱] ليس حكاية قول افتاء به فانا نحكی اقوالا خارجة عن المذهب ولا يتوهم احد انا نفتی بها انما الافتاء ان تعتمد علی شیئ وتبين لسائلك ان هذا حكم الشرع فی ماسألت، وهذا لا يحل لاحد من دون ان يعرفه عن دليل شرعی والا كان جزافا وافتراء علی الشرع ودخولا تحت قوله عزوجل ام تقولون علی الله ما لا تعلمون[۱] وقوله تعالی قل الله اذن لكم ام علی الله تفترون[۲]۔

الثانية[ف۲] الدليل علی وجهين اما تفصيلی ومعرفته خاصة باهل النظر

عار آپ سے دُور ہے ـــــ بیانِ حق کے لئے ہم پہلے چند مقامات پیش کرتے ہیں جن کے باعث حقیقت کے رُخ سے پردہ اُٹھ جائے گا۔

مقدمہ اوّل: کسی قول کی نقل و حکایت اور کسی قول پر افتا دونوں ایک نہیں۔ ہم ایسے بہت سے اقوال بیان کرتے ہیں جو ہمارے مذہب سے باہر کے ہیں اور کسی کو یہ وہم نہیں ہوتا کہ ہم ان اقوال پر فتوٰی دے رہے ہیں ـــــ اِفتا یہ ہے کہ کسی بات پر اعتماد کرکے سائل کو بتایا جائے کہ تمھاری مسئولہ صورت میں حکمِ شریعت یہ ہے۔ یہ کام کسی کے لئے بھی اُس وقت تک حلال نہیں جب تک اُسے کسی دلیلِ شرعی سے اس کا علم نہ ہو جائے، ورنہ جزاف (اٹکل سے بتانا) اور شریعت پر افترا ہوگا اور ان ارشادات کا مصداق بھی بننا ہوگا (۱) کیا تم خدا پر وہ بولتے ہو جس کا تمھیں علم نہیں (۲) فرماؤ کیا اللہ نے تمھیں اذن دیا یا تم خدا پر افترا کرتے ہو۔

مقدمہ دوم: دلیل دو طرح کی ہوتی ہے:

(۱) تفصیلی ـــ اس سے آگاہی اہلِ نظر و

ف۱: معنی الافتاء وانه ليس حكاية محضة وانه لا يجوز الا عن دليل۔

ف۲: الدليل دليلان تفصيلی خاص معرفته بالمجتهد واجمالی لابد منه حتی للمقلد۔

---

[۱] القرآن الكريم ۲/ ۸۰

[۲] " ۱۰/ ۵۹

والاجتہاد فان غیرہ وان علم دلیل المجتہد فی مسألۃ لایعلمہ الاتقلیدا کما یظہر مما بیناہ فی رسالتنا المبارکۃ ان شاء اللہ تعالٰی "الفضل الموھبی فی معنی اذا صح الحدیث فھو مذھبی" فان قطع تلک المنازل التی بینا فیہا لایمکن الا للمجتہد واشار الی بعض قلیل منہ فی عقود رسم المفتی اذ نقل فیہا ان معرفۃ الدلیل انما تکون للمجتہد لتوقفہا علی معرفۃ سلامتہ من المعارض وھی متوقفۃ علی استقراء الادلۃ کلہا ولایقدر علی ذلک الا المجتہد اما مجرد معرفۃ ان المجتہد الفلانی اخذ الحکم الفلانی من الدلیل الفلانی فلا فائدۃ فیہا[1] اھ۔

اجتہاد کا خاص حصہ ہے دوسرے کو اگر کسی مسئلے میں دلیل مجتہد کا علم ہوتا بھی ہے تو تقلیداً ہوتا ہے، جیسا کہ یہ اس سے ظاہر ہے جو ہم نے اپنے رسالہ "الفضل الموھبی فی معنی اذا صح الحدیث فھو مذھبی" میں بیان کیا (خدا نے چاہا تو یہ رسالہ بابرکت ثابت ہوگا) — اس لئے کہ اس رسالے میں جو منزلیں ہم نے بتائی ہیں انھیں طے کرنا سوائے مجتہد کے اور کسی کے بس کی بات نہیں — اس میں سے کچھ تھوڑی سی مقدار کی جانب "عقود رسم المفتی" میں بھی اشارہ ہے۔ اس میں یہ نقل کیا ہے کہ: دلیل کی معرفت مجتہد ہی کو ہوتی ہے اس لئے کہ یہ اس امر کی معرفت پر موقوف ہے کہ دلیل ہر معارض سے محفوظ ہے اور یہ معرفت تمام دلائل کے استقراء اور چھان بین پر موقوف ہے جس پر بجز مجتہد کسی کو قدرت نہیں ہوتی، اور صرف اتنی واقفیت کہ فلاں مجتہد نے فلاں حکم فلاں دلیل سے اخذ کیا ہے تو اتنے سے کوئی فائدہ نہیں اھ۔

اوّ اجمالی کقولہ سبحٰنہ فاسألوا اھل الذکر ان کنتم لاتعلمون[2]، وقولہ تعالٰی اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم[3]، فانھم العلماء علی الاصح و

(۲) اجمالی — جیسے باری تعالٰی کا ارشاد ہے: ذکر والوں سے پوچھو اگر تمھیں علم نہیں — اور ارشاد ہے: اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان کی جو تم میں صاحب امر ہیں۔ یہ اصحاب امر بر قول اصح حضرات علماء کرام

[1] شرح عقود رسم المفتی رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۳۰
[2] القرآن الکریم ۱۶/۴۳ [3] القرآن الکریم ۴/۵۹
ف: رسالہ الفضل الموھبی فتاوٰی رضویہ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن جلد ۲۷ ص ۶۱ پر ملاحظہ ہو۔

وقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم
الاسألوا اذلم یعلموا فانما
شفاء العی السؤال[1]
وعن ھذا (ف) نقول ان اخذنا
باقوال امامنا لیس تقلیدا شرعیا
لکونہ عن دلیل شرعی انما ھو تقلید
عرفی لعدم معرفتنا بالدلیل التفصیلی
اما التقلید الحقیقی فلا مساغ لہ فی
الشرع وھو المراد فی کل ماورد فی
ذم التقلید والجُھّال الضلال یلبسون علی
العوام فیحملونہ علی التقلید العرفی
الذی ھو فرض شرعی علٰی کل من
لم یبلغ رتبۃ الاجتھاد۔

قال المدقق البھاری فی مسلم الثبوت
التقلید العمل بقول الغیر من غیر حجۃ
کاخذ العامی والمجتھد من مثلہ
فالرجوع الی النبی صلی اللہ تعالٰی
علیہ وسلم اوالی الاجماع لیس منہ
وکذا العامی الی المفتی والقاضی الی العدول

ہیں۔ اور سرکار اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا
ارشاد ہے "جب انھیں معلوم نہ تھا تو پوچھا
کیوں نہیں، عاجز کا علاج یہی ہے کہ سوال کرے"۔
اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ اپنے امام کے
اقوال کو تسلیم وقبول کرنا تقلید شرعی نہیں، بس
تقلید عرفی ہے اس لئے کہ دلیلِ تفصیلی کی ہمیں
معرفت نہیں ــــ اور تقلید حقیقی کی تو شریعت
میں کوئی گنجائش ہی نہیں۔ اور مذمت تقلید میں
جو کچھ وارد ہے اس میں تقلید حقیقی ہی مراد ہے۔
اہلِ جہالت وضلالت عوام پر تلبیس کرکے اسے
تقلیدِ عرفی پر محمول کرتے ہیں جب کہ یہ ہر اس
شخص پر فرض شرعی ہے جو رتبۂ اجتہاد تک
نہ پہنچا ہو۔

مدقق بہاری مسلم الثبوت میں فرماتے ہیں،
تقلید یہ ہے کہ دوسرے کے قول پر بغیر کسی دلیل
کے عمل ہو، جیسے عامی اور مجتہد کا اپنے جیسے سے
اخذ کرنا۔ تو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی جانب
یا اجماع کی جانب رجوع لانا تقلید نہیں اسی طرح
عامی کا مفتی کی جانب اور قاضی کا گواہان عادل

ف: الفرق بین التقلید الشرعی المذموم والعرفی الواجب وبیان ان اخذنا باقوال
امامنا لیس تقلیدا فی الشرع بل بحسب العرف وھو عمل بالدلیل حقیقۃ وبیان
تلبیس الوھابیۃ فی ذٰلک۔

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ باب المجدور یتیمم آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۴۹

لایجاب النص ذٰلك علیهما لکن العرف
علی ان العامی مقلد للمجتهد
قال الامام وعلیه معظم
الاصولیین[1] اھ۔

وشرحه المولی بحر العلوم
فی فواتح الرحموت ھکذا (التقلید
العمل بقول الغیر من غیر حجة)
متعلق بالعمل والمراد بالحجة حجة
من الحجج الاربع والا فقول
المجتهد دلیله وحجته (کاخذ العامی
من المجتهد (و) اخذ
(المجتهد من مثله فالرجوع
الی النبی علیه) وآله و
اصحابه (الصلوٰة والسلام والی الاجماع
لیس منه) فانه رجوع الی الدلیل
(وکذا) رجوع (العامی الی المفتی
والقاضی الی العدول) لیس
ھذا الرجوع نفسه تقلیدا وان
کان العمل بما اخذ وابعده تقلیدا
(لایجاب النص ذٰلك علیهما) فهو
عمل بحجة لا بقول الغیر فقط
(لکن العرف) دل (علی ان العامی
مقلد للمجتهد) بالرجوع الیه (قال

کی جانب رجوع ، اس لئے کہ یہ ان دونوں پر نص
نے واجب کیا ہے ـــ لیکن عرف یہ ہے کہ عامی
مجتہد کا مقلد ہے ۔ امام نے فرمایا اسی پر بیشتر
اہلِ اصول ہیں اھ۔

مولانا بحر العلوم نے فواتح الرحموت میں اس
کی شرح یوں کی ہے : (قوسین کے درمیان
متن کے الفاظ ہیں ۔ ۱۲م) (تقلید، دوسرے کے
قول پر عمل ، بغیر کسی دلیل کے) یہ عمل سے متعلق
ہے ـــ اور دلیل سے مراد ادلّہ اربعہ (کتاب،
سنّت ، اجماع ، قیاس) میں سے کوئی دلیل
ہے ۔ ورنہ مجتہد کا قول ہی اس کی دلیل اور
حجت ہے (جیسے عامی کا اخذ کرنا) مجتہد سے
(اور مجتہد کا اپنے مثل سے) اخذ کرنا (تو نبی علیہ
وآلہ واصحابہ (الصلوٰۃ والسلام یا اجماع کی
جانب رجوع تقلید نہیں) اس لئے کہ یہ
تو دلیل کی جانب رجوع ہے ۔ (اور اسی طرح
عامی کا مفتی ، اور قاضی کا گواہانِ عادل کی جانب)
رجوع کرنا ، کہ خود یہ رجوع تقلید نہیں اگرچہ بعد
رجوع جو اخذ کیا اس پر عمل ، تقلید ہے (کیونکہ یہ
ان دونوں پر خود نص نے واجب کیا ہے) تو یہ
ایک دلیل پر عمل ہے (لیکن عرف اس پر
دلالت کرتی (ہے کہ عامی ، مجتہد کا مقلد ہے)
کیونکہ وہ اس کی طرف رجوع کرتا ہے (امام نے

---

[1] مسلّم الثبوت الاصل الرابع القیاس فصل فی تعریف التقلید الخ مطبع انصاری دہلی ص ۲۸۹

الامام) امام الحرمین (وعلیه معظم الاصولیین) وھو المشتھر المعتمد علیه اھ[1]۔

فرمایا) امام الحرمین نے (اور اسی پر اکثر اہل اصول ہیں) اور یہی مشہور ہے جس پر اعتماد ہے۔

اقول فیه نظر من وجوه، ف[1] **فاولا** لا فرق فی الحکم بین الاخذ والرجوع حیث لا رجوع الا للاخذ اذ لم یوجبه الشرع الا له ولو سأل العامی امامه ولم یعمل به کان عابثا متلاعبا والشرع متعال عن الامر بالعبث فان لم یکن الرجوع تقلیدا لوجوبه بالنص لم یکن الاخذ ایضا من التقلید قطعا لوجوبه بعین النص۔

اقول یہ شرح چند وجہوں سے محلِ نظر ہے، **اولاً** اخذ اور رجوع کے حکم میں کوئی فرق نہیں۔ اس لئے کہ رجوع اخذ ہی کے لئے ہوتا ہے کیونکہ شریعت نے اخذ ہی کے لئے رجوع واجب کیا ہے۔ اگر عامی اپنے امام سے پُوچھے اور اس پر عمل نہ کرے تو عبث اور کھیل کرنے والا قرار پائے گا اور شریعت اس سے برتر ہے کہ عبث کا حکم فرمائے۔ تو رجوع اگر اس وجہ سے تقلید نہیں کہ وہ نص سے واجب ہے تو اخذ بھی ہرگز تقلید نہیں کیونکہ یہ بھی بعینہٖ اسی نص سے واجب ہے۔

وثانیا ف[2] الأیة الاولی اوجبت الرجوع والثانیة الاخذ فطاح الفرق۔

ثانیاً پہلی آیت "فاسئلوا" نے رجوع واجب کیا، اور دوسری "اطیعوا" نے اخذ واجب کیا، تو اخذ و رجوع کے حکم میں فرق بیکار ہوا۔

وثالثا ف[3] حیث اتحد مآل الرجوع والاخذ فعلی تقریر الشارح یتناقض قوله التقلید اخذ العامی

ثالثاً جب رجوع اور اخذ دونوں کا مآل ایک ہے تو بر تقریر شارح متن کی ان دونوں عبارتوں میں تناقض لازم آئے گا (۱) عامی کا

ف۱: معروضة علی العلامة بحرالعلوم
ف۲: معروضة علیه
ف۳ معروضة علیه

---

[1] فواتح الرحموت بذیل المستصفی الاصل الرابع فصل فی تعریف التقلید الخ منشورات الرضی قم ایران

من المجتهد وقوله لیس منه رجوع العامی الی المفتی فان المفتی هو المجتهد کما فی المتن متصلا بما مر۔

ورابعاً ان ارید [ف۱] بحجة من الاربع التفصیلیة اعنی الخاصة بالجزئیة النازلة بطل قوله فالرجوع الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم او الاجماع لیس منه فانه لایکون عن ادراك الدلیل التفصیلی وان ارید الاجمالیة کالعمومات الشرعیة بطل جعله اخذ العامی من المجتهد تقلید فانه ایضاً عن دلیل شرعی۔

وخامساً [ف۲] اذ قد حکم اولا ان اخذ العامی عن المجتهد تقلید فما معنی الاستدراك علیه بقوله لکن العرف الخ۔

وسادساً [ف۳] لیس نفس الرجوع

مجتہد سے اخذ کرنا تقلید ہے (۲) عامی کا مفتی کی جانب رجوع کرنا تقلید نہیں ۔۔ اس لئے کہ مفتی وہی ہے جو مجتہد ہو جیسا کہ متن میں عبارت مذکورہ سے متصل ہی گزر چکا ہے۔

رابعاً حجت و دلیل کی توضیح میں شارح نے "ادلۂ اربعہ میں سے کوئی دلیل" کہا۔ اگر اس سے مراد دلیل تفصیلی ہے ۔۔ یعنی وہ خاص دلیل جو پیش آمدہ جزئیہ و مسئلہ سے متعلق ہے (اسے جانے بغیر دوسرے کا قول لے لینے کا نام تقلید ہے) ۔۔ تو یہ کہنا باطل ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا اجماع کی طرف رجوع تقلید نہیں ۔ اس لئے کہ یہ رجوع دلیل تفصیلی کا علم و ادراک نہیں ۔ اور اگر اس سے مراد دلیل اجمالی ہے جیسے عام ارشادات شرعیہ تو مجتہد سے عامی کے اخذ کو تقلید کہنا باطل ہے کیوں کہ یہ بھی ایک دلیل شرعی کے تحت ہے۔

خامساً جب ابتداءً یہ فیصلہ کر دیا کہ عامی کا مجتہد سے اخذ کرنا تقلید ہے تو بعد میں بطور استدراک یہ عبارت لانے کا کیا معنی؟ "لیکن عرف اس پر ہے کہ عامی، مجتہد کا مقلد ہے۔"

سادساً نفس رجوع تقلید ہرگز نہیں،

ف۱: معروضة علی المولٰی بحر العلوم۔

ف۲: معروضة علیه۔

ف۳: معروضة علیه۔

تقلیداً قط والا لکان رجوعنا الی کتب الشافعیۃ لنعلم ما مذھب الامام المطلبی فی المسألۃ تقلیداً لہ ولا یتوھمہ احد۔

وسابعا مثلہ او اعجب منہ[ف۱] جعل اخذ القاضی بشھادۃ الشھود تقلیدا منہ لھم فانہ تقلید لا یعرفہ عرف ولا شرع و[ف۲] من یتجاسر ان یسمی قاضی الاسلام ولو ابا یوسف[عہ] مقلد ذمیین اذا قضی بشھادتھما علی ذمی

ورنہ کسی مسئلے میں امام شافعی مطلبی علیہ الرحمۃ کا مذہب معلوم کرنے کے لئے کتب شافعیہ کی جانب ہمارا رجوع کرنا امام شافعی کی تقلید ٹھہرے۔ حالانکہ کسی کو یہ وہم بھی نہیں ہو سکتا۔

سابعاً اسی کے مثل یا اس سے بھی زیادہ حیرت خیز بات یہ ہوئی کہ اگر قاضی نے گواہوں کی شہادت لے لی تو اسے یہ ٹھہرایا کہ قاضی نے گواہوں کی تقلید کر لی۔ ایسی تقلید سے نہ کوئی عرف آشنا ہے نہ شریعت میں کہیں اس کا نام ونشان ــــ کسے جرأت ہے کہ قاضی اسلام کو ــــ خواہ وہ امام ابو یوسف ہی ہوں ــــ ایسے دو ذمیوں کا مقلد کہہ دے

عہ بل وامراء المؤمنین الخلفاء الراشدین رضی اللہ تعالٰی عنھم وانت[ف۳] تعلم انہ لیس الا ثقۃ بقول الشھود فیما اخبروا بہ عن واقعۃ حسیۃ شھدوھا ولو کان ھذا تقلیدا لم یسلم من تقلید احاد الناس امام ولا صحابی ولا نبی وفی مسلم قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حدثنا تمیم الداری[۱] اھ منہ غفرلہ۔

عہ بلکہ کوئی شخص جرأت کر سکتا ہے کہ خلفائے راشدین کو ذمیوں کا مقلد کہے؟ اور آپ جانتے ہیں کہ قاضی تو صرف گواہوں کے اس قول سے وثوق حاصل کرتا ہے اس معاملہ میں جس واقعہ حسیہ کا انھوں نے مشاہدہ کیا ہو اگر اس چیز کا نام تقلید ہے تو کوئی امام صحابی اور نبی تقلید سے سالم نہ رہے گا اور مسلم شریف میں حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا قول ہے کہ ہمیں تمیم داری نے حدیث بیان کی اھ منہ غفرلہ (ت)

ف۱: معروضۃ علیہ

ف۲: معروضۃ علیہ

ف۳: معروضۃ علیہ

---

[۱] صحیح مسلم کتاب الفتن باب قصۃ الجساسۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۴۰۴ و ۴۰۵

بل الحق في حل المتن ما رأيتني كتبت عليه هكذا (التقليد) الحقيقي هو (العمل بقول الغير من غير حجة) اصلا (كاخذ العامي) من مثله و هذا بالاجماع اذ ليس قول العامي حجة اصلا لا لنفسه ولا لغيره (و) كذا اخذ (المجتهد من مثله) على مذهب الجمهور من عدم جواز تقليد مجتهد مجتهدا اخر و ذلك لانه لما كان قادرا على الاخذ عن الاصل فالحجة في حقه هو الاصل وعدوله عنه الى ظن مثله عدول الى ما ليس حجة في حقه فيكون تقليدا حقيقيا فالضمير في مثله الى كل من العامي والمجتهد لا الى المجتهد خاصة[ع]

جن کی شہادت پر اس نے کسی ذمی کے خلاف فیصلہ کردیا ہو؟

بلکہ متن مذکور کے حل میں حق وہ ہے جو اس عبارت پر خود میں نے کبھی لکھا تھا وہ اس طرح ہے: (قوسین میں متن کے الفاظ ہیں ۱۲م) (تقلید) حقیقی (دوسرے کے قول پر) اصلاً کسی بھی (دلیل کے بغیر عمل کرنا، جیسے عامی کا اخذ کرنا) اپنے ہی جیسے عامی سے، یہ بالاجماع ہے، اس لئے کہ عامی کا قول سرے سے دلیل ہی نہیں، نہ خود اس کے لئے نہ کسی اور کے لئے (اور) اسی طرح (مجتہد کا اپنے ہی جیسے شخص سے اخذ کرنا۔ یہ حکم اس مذہب جمہور پر ہے کہ ایک مجتہد کے لئے دوسرے مجتہد کی تقلید جائز نہیں۔ یہ اس لئے کہ جب وہ اصل سے اخذ کرنے پر قادر ہے تو اس کے حق میں حجت وہی اصل ہے۔ اسے چھوڑ کر اپنے ہی جیسے شخص کے گمان کی جانب رجوع کرنا ایسی چیز کی طرف رجوع ہے جو اس کے حق میں حجت نہیں، تو یہ بھی تقلید حقیقی ہوگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ "مثلہ" میں ضمیر عامی اور مجتہد ہر ایک کی جانب راجع ہے، صرف مجتہد کی طرف نہیں۔

ع كما لا يخفى على كل ذي ذوق فضلا عن النظر الى ما يلزم ۱۲ منه

جیسا کہ ہر صاحبِ ذوق پر ظاہر ہے، قطع نظر اُس خرابی سے جو صرف مجتہد کی جانب راجع ٹھہرانے میں لازم آتی ہے ۱۲ منہ (ت)

ف: معروضة عليه

واذا عرفت ان التقليد الحقيقي يعتمد انتفاء الحجة رأسا (فالرجوع الى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم او الى الاجماع) وان لم نعرف دليل ما قاله صلى الله تعالى عليه وسلم او قاله اهل الاجماع تفصيلا (ليس منه) اى من التقليد الحقيقي لوجود الحجة الشرعية ولو اجمالا (وكذا) رجوع (العامي) من ليس مجتهدا (الى المفتي) وهو المجتهد (و) رجوع (القاضي الى الشهود (العدول) واخذهما بقولهم ليس من التقليد في شيء لا نفس الرجوع و لا العمل بعده (لايجاب النص) ذلك الرجوع والعمل (عليهما) فيكون عملا بحجة و لو اجمالية كما عرفت. هذا هو حقيقة التقليد (لكن العرف) مضى[عـه] (على ان العامي مقلد للمجتهد) فجعل عمله بقوله من دون معرفة دليله التفصيلي تقليدا له وان كان انما

جب یہ معلوم ہوگیا کہ تقلید حقیقی کا مدار اس پر ہے کہ سرے سے کوئی دلیل نہ ہو (تو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا اجماع کی طرف رجوع) اگرچہ ہمیں تفصیلی طور پر اس کی دلیل معلوم نہ ہو جو رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا یا جو اہل اجماع نے کہا (اس سے نہیں) یعنی تقلید حقیقی نہیں اس لئے کہ حجت شرعیہ موجود ہے اگرچہ اجمالاً ہے (اسی طرح عامی) جو مجتہد نہیں (کا مفتی) مفتی ـــ وہی ہے جو مجتہد ہو (کی طرف) رجوع (اور قاضی کا عادل) گواہوں (کی طرف) رجوع، اور ان کا قول لینا کسی طرح تقلید نہیں، نہ ہی نفس رجوع اور نہ ہی اس کے بعد عمل ـــ کوئی بھی تقلید نہیں ـــ (اس لئے کہ ان دونوں پر یہ رجوع وعمل (نص نے واجب کیا ہے) تو یہ ایک دلیل پر عمل ہوگا اگرچہ اجمالی دلیل پر، جیسا کہ معلوم ہوا ـــ تقلید کی حقیقت تو یہی ہے (لیکن عرف اس پر) جاری (ہے کہ عامی، مجتہد کا مقلد ہے) قول مجتہد کی دلیل تفصیلی سے آشنائی کے بغیر اس پر عامی کے عمل کو اس کی تقلید قرار دیا گیا ہے۔ اگرچہ مجتہد کی طرف عامی

عـه تقديره اولى من تقدير دل كما لا يخفى اھ منه غفر له۔

یہ لفظ یہاں مقدر ماننا لفظ دلالت مقدر ماننے سے اولیٰ ہے جیسا کہ ظاہر ہے ۱۲ منہ (ت)

ف: معروضة عليه۔

یرجع الیہ لانہ مامور شرعا بالرجوع الیہ والاخذ بقولہ فکان عن حجۃ لابغیرھا وھذا اصطلاح خاص بھذہ الصورۃ فالعمل بقول النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وبقول اھل الاجماع لایسمیہ العرف ایضا تقلیدا (قال الامام) ھذا عرف العامۃ (و) مشی (علیہ معظم الاصولیین) ف والاصطلاحات سائغۃ لامحل فیھا للتذییل بان ھذا ضعیف و ذالک معتمد کما لایخفی ھذا ھو التقریر الصحیح لھذا الکلام واللہ تعالٰی ولی الانعام۔

اسی لئے رجوع کرتا ہے کہ اسے شرعًا اس کی جانب رجوع کرنے اور اس کا قول لینے کا حکم دیا گیا ہے، تو یہ رجوع دلیل کے تحت ہے بلا دلیل نہیں ـــــ یہ ایک اصطلاح ہے جو اسی صورت سے خاص ہے اور قول رسول صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور قول اہلِ اجماع پر عمل کو تو عرف میں بھی تقلید نہیں کہا جاتا (امام نے فرمایا) یہ عرف عام ہے (اور اسی پر اکثر اہل اصول) گام زن (ہیں) اصطلاح کوئی بھی قائم کرنے کی گنجائش ہوتی ہے تو سبھی اصطلاحیں روا ہوتی ہیں ان سے متعلق یہ نوٹ لگانا بے محل ہے کہ فلاں اصطلاح ضعیف ہے اور فلاں معتمد ہے، جیسا کہ مخفی نہیں ـــ یہ ہے کلام مذکور کی صحیح تقریر ـــــ اور خدائے تعالٰی ہی فضل وانعام کا مالک ہے۔

الثالثۃ اقول حیث علمت ان الجمھور علی منع اھل النظر من تقلید غیرہ وعندھم اخذہ بقولہ من دون معرفۃ دلیلہ التفصیلی یرجع الی التقلید الحقیقی المحظور اجماعا بخلاف العامی فان عدم معرفتہ الدلیل التفصیلی یوجب علیہ تقلید المجتھد و الالزم

مقدمہ سوم: اقول معلوم ہو چکا کہ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اہلِ نظر و اجتہاد کے لئے یہ جائز نہیں کہ دوسرے کسی مجتہد کی تقلید کرے اور وہ اگر دوسرے کا قول اس کی دلیل تفصیلی سے آگاہی کے بغیر لے لیتا ہے تو جمہور کے نزدیک یہ تقلید حقیقی میں شامل ہے جو بالاجماع حرام ہے۔ عامی کا حکم اس کے برخلاف ہے اس لئے کہ دلیل تفصیلی سے ناآشنائی اس پر واجب کرتی ہے کہ وہ مجتہد کی تقلید کرے ورنہ لازم آئیگا

ف: معروضۃ علیہ۔

التكليف بما ليس في الوسع او تركه سدی ظهر ان عدم معرفة الدليل التفصيلي له اثران تحريم التقليد في حق اهل النظر وايجابه في حق غيرهم ولا غرو ان يكون شئ واحد موجبا ومحرما معا لشئ آخر باختلاف الوجه فعدم المعرفة لعدم الاهلية موجب للتقليد ومعها محرم له۔

کہ اسے ایسے امر (دلیل تفصیلی سے آگاہی) کا مکلف کیا جائے جو اس کے بس میں نہیں یا یہ کہ اسے بیکار چھوڑ دیا جائے — اس سے ظاہر ہوا کہ دلیل تفصیلی سے ناآشنائی کے دو اثر ہیں (۱) صاحبِ نظر کے لئے وہ تقلید کو حرام ٹھہراتی ہے (۲) اور غیر اہلِ نظر کے لئے وہی ناآشنائی تقلید کو واجب قرار دیتی ہے — اور یہ کوئی حیرت کی بات نہیں کہ ایک ہی چیز کسی دوسری چیز کو الگ الگ وجہوں کے تحت واجب بھی ٹھہرائے اور حرام بھی — تو یہی ناآشنائی فقدانِ اہلیت کے باعث تقلید کو واجب قرار دیتی ہے، اور اہلیت ہوتے ہوئے تقلید کو حرام قرار دیتی ہے۔

الرابعة الفتوى حقيقية وعرفية (ف) فالحقيقة هو الافتاء عن معرفة الدليل التفصيلي واولئك الذين يقال لهم اصحاب الفتوى ويقال بهذا افتى الفقيه ابوجعفر والفقيه ابو الليث واضرابهما رحمهم الله تعالى، والعرفية اخبار العالم باقوال الامام جاهلا عنها تقليدا له من دون تلك المعرفة كما يقال فتاوى ابن نجيم والغزي والطوري والفتاوى الخيرية وهلم

مقدمہ چہارم: ایک حقیقی فتویٰ ہوتا ہے، ایک عرفی — فتوائے حقیقی یہ ہے کہ دلیل تفصیلی کی آشنائی کے ساتھ فتویٰ دیا جائے۔ ایسے ہی حضرات کو اصحابِ فتویٰ کہا جاتا ہے اور اسی معنیٰ میں یہ بولا جاتا ہے کہ فقیہ ابو جعفر، فقیہ ابو اللیث اور ان جیسے حضرات رحمہم اللہ تعالیٰ نے فتویٰ دیا۔ اور فتوائے عرفی یہ ہے کہ اقوالِ امام کا علم رکھنے والا اُس تفصیلی آشنائی کے بغیر ان کی تقلید کے طور پر کسی نہ جاننے والے کو بتائے۔ جیسے کہا جاتا ہے فتاویٰ ابن نجیم، فتاویٰ غزی، فتاویٰ طوری، فتاویٰ خیریہ، اسی طرح زمانہ

ف: الفتوى قسمان حقيقية مختصة بالمجتهد وعرفية۔

تنزلا ترمانا ورتبة الى الفتاوى الرضوية جعلها الله تعالى مرضية مرضية امين!

الخامسة اقول وبالله التوفيق، القول قولان صوري وضروري فالصوري هو المقول المنقول والضروري مالم يقله القائل نصا بالخصوص لكنه قائل به في ضمن العموم الحاكم ضرورة بانه لو تكلم في هذا الخصوص لتكلم كذا أو ربما يخالف الحكم الضروري الحكم الصوري ويقضي عليه الضروري حتى ان الاخذ بالصوري يعد مخالفة للقائل والعدول عنه الى الضروري موافقة او اتباعا له كأن كان زيد صالحا فامر عمرو خدامه باكرامه نصا جهارا وكرر ذلك عليهم مرارا وقد كان قال لهم اياكم ان تكرموا فاسقا ابدا فبعد

رتبہ میں ان سے فروتر فتاوٰی رضویہ تک چلے آیئے ــ اللہ تعالٰی اُسے اپنی رضا کا باعث اور اپنا پسندیدہ بنائے۔ آمین!

مقدمۂ پنجم: اقول وباللہ التوفیق، قول کی دو قسمیں ہیں: (۱) قول صوری (۲) قول ضروری ــ قول صوری وہ ہے جو کسی نے صراحۃً کہا اور اس سے نقل ہوا ــ اور قول ضروری وہ ہے جسے قائل نے صراحۃً اور خاص طور پر نہ کہا ہو مگر وہ کسی ایسے عموم کے ضمن میں اس کا قائل ہو جس سے ضروری طور پر یہ حکم برآمد ہوتا ہے کہ اگر وہ اس خصوص میں کلام کرتا تو اس کا کلام ایسا ہی ہوتا۔ کبھی حکم ضروری، حکم صوری کے خلاف بھی ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں حکم صوری کے خلاف حکم ضروری راجح وحاکم ہوتا ہے یہاں تک کہ صوری کو لینا قائل کی مخالفت شمار ہوتا ہے اور حکم صوری چھوڑ کر حکم ضروری کی طرف رجوع کو قائل کی موافقت یا اس کی پیروی کہا جاتا ہے۔ مثلاً زید نیک اور صالح تھا تو عمرو نے اپنے خادموں کو صراحۃً علانیۃً زید کی تعظیم کا حکم دیا اور بار بار ان کے سامنے اس حکم کی تکرار بھی کی ــ اور اس سے ایک زمانہ پہلے ان خدام کو ہمیشہ کیلئے کسی فاسق کی تکریم سے ممانعت بھی کر چکا تھا۔ پھر

ف: القول قولان صوری وضروری وهو يقضي على الصوري وله ستة وجوه۔

زمان فسق زید علانیة فان اکرمه بعده خدامه عملا بنصه المکرر المقرر کانوا عاصین وان ترکوا اکرامه کانوا مطیعین۔

کچھ دنوں بعد زید فاسق معلن ہوگیا۔ اب اگر عمرو کے خدام اس کے مکرر ثابت شدہ صریح حکم پر عمل کرتے ہوئے زید کی تعظیم کریں تو عمرو کے نافرمان شمار ہوں گے اور اگر اس کی تعظیم ترک کردیں تو اطاعت گزار ٹھہریں گے۔

ف ومثل ذلك یقع فی اقوال الائمة اما الحدوث ضرورة[1] او[2] حرج او[3] عرف او[4] تعامل او[5] مصلحة مهمة تجلب او[6] مفسدة مسلمة تسلب۔

اسی طرح اقوالِ ائمہ میں بھی ہوتا ہے (کہ ان کے حکم صوری کے خلاف کوئی حکم ضروری پالیا جاتا ہے) اس کے درج ذیل اسباب پیدا ہوتے ہیں: (۱) ضرورت (۲) حرج (۳) عرف (۴) تعامل (۵) کوئی اہم مصلحت جس کی تحصیل مطلوب ہے (۶) کوئی بڑا مفسدہ جس کا ازالہ مطلوب ہے۔

وذلك لان استثناء الضرورات ودفع الحرج ومراعاة المصالح الدینیة الخالیة عن مفسدة تربو علیها ودرء المفاسد والاخذ بالعرف والعمل بالتعامل کل ذلك قواعد کلیة معلومة من الشرع لیس احد من الائمة الامائلا الیها وقائلا بها ومعولا علیها فاذا کان فی مسألة نص للامام ثم حدث احد تلك المغیرات علمنا قطعا ان لو حدث علی عهده

یہ اس لئے کہ ضرورتوں کا استثنا، حرج کا دفعیہ، ایسی دینی مصلحتوں کی رعایت جو کسی ایسی خرابی سے خالی ہوں جو ان سے بڑھی ہوئی ہے، مفاسد کو دُور کرنا، عرف کا لحاظ کرنا، اور تعامل پر کاربند ہونا یہ سب ایسے قواعد کلیہ ہیں جو شریعت سے معلوم ہیں۔ ہر امام ان کی جانب مائل، ان کا قائل اور ان پر اعتماد کرنے والا ہی ہے۔ اب اگر کسی مسئلے میں امام کا کوئی صریح حکم رہا ہو پھر حکم تبدیل کرنے والے مذکورہ امور میں سے کوئی ایک پیدا ہو تو ہمیں قطعاً یہ یقین ہوگا کہ یہ

ف: چھ باتیں ہیں جن کے سبب قولِ امام بدل جاتا ہے لہذا قول ظاہر کے خلاف عمل ہوتا ہے اور وہ چھ باتیں، ضرورت، دفعِ حرج، عرف، تعامل، دینی ضروری مصلحت کی تحصیل، کسی فساد موجود یا مظنون بظن غالب کا ازالہ، ان سب میں بھی حقیقۃً قولِ امام ہی پر عمل ہے۔

لكان قوله على مقتضاه لا على خلافه وردّه فالعمل ح بقوله الضروری الغیر المنقول عنه هو العمل بقوله لا الجمود على المأثور من لفظه۔

امر اگر ان کے زمانے میں پیدا ہوتا تو ان کا قول اس کے تقاضے کے مطابق ہی ہوتا اسے رَد نہ کرتا اور اس کے برخلاف نہ ہوتا۔ ایسی صورت میں ان سے غیر منقول قول ضروری پر عمل کرنا ہی دراصل ان کے قول پر عمل ہے۔ ان سے نقل شدہ الفاظ پر جم جانا ان کی پیروی نہیں۔

وقد عد في العقود مسائل كثيرة من هذا الجنس ثم احال بيان كثير أُخر على الاشباه، ثم قال (فهٰذه) كلها قد تغيرت احكامها لتغير الزمان اما للضرورة واما للعرف واما لقرائن الاحوال، قال وكل ذلك غير خارج عن المذهب لان صاحب المذهب لوكان في هذا الزمان لقال بها ولو حدث هذا التغير في زمانه لم ينص على خلافها، قال وهٰذا الذی جرأ المجتهدين في المذهب واهل النظر الصحيح من المتأخرين على مخالفة المنصوص عليه من صاحب المذهب في كتب ظاهر الرواية بناء على ما كان في زمنه كما تصريحهم به الخ۔[1]

عقود میں ایسے بہت سے مسائل شمار کرائے اور بکثرت دیگر مسائل کے لئے اشباہ کا حوالہ دیا ــــ پھر یہ لکھا کہ: یہ سارے مسائل ایسے ہیں جن کے احکام تغیرِ زمان کی وجہ سے بدل گئے۔ یا تو ضرورت کے تحت، یا عرف کی وجہ سے، یا قرائنِ احوال کے سبب ــــ فرمایا: اور یہ سب مذہب سے باہر نہیں، اس لئے کہ صاحبِ مذہب اگر اس دور میں ہوتے تو ان ہی کے قائل ہوتے۔ اور اگر یہ تبدیلی ان کے وقت میں رُونما ہوتی تو ان احکام کے برخلاف صراحت نہ فرماتے ــــ فرمایا: اسی بات نے حضراتِ مجتہدین فی المذہب اور متاخرین میں سے اصحابِ نظرِ صحیح کے اندر یہ جرأت پیدا کی کہ وُہ اس حکم کی مخالفت کریں جس کی تصریح خود صاحبِ مذہب سے کتب ظاہر الروایہ میں موجود ہے، یہ تصریح ان کے زمانے کے حالات کی بنیاد پر ہے جیسا کہ اس سے متعلق ان کی تصریح گزر چکی ہے الخ۔

[1] شرح عقود رسم المفتی رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ١/ ٤٥

اقول بل ربما یقع نظیر ذلک فی نص الشارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقد قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا استأذنت احدکم امرأتہ الی المسجد فلا یمنعہا[1] رواہ احمد والبخاری ومسلم والنسائی وفی لفظ لاتمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ[2] رواہ احمد ومسلم کلہم عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما، وبالثانی رواہ احمد وابوداؤد عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بزیادۃ ولیخرجن تفلات[3]

اقول بلکہ اس کی نظیر خود نص شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام میں بھی ملتی ہے ــــ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے، جب تم میں سے کسی کی بیوی مسجد جانے کی اجازت مانگے تو وہ ہرگز اسے نہ روکے۔ (احمد، بخاری، مسلم، نسائی)۔ اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: اللہ کی بندیوں کو مسجدوں سے نہ روکو ــــ اس کے راوی امام احمد ومسلم ہیں اور یہ سبھی حضرات ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی ہیں۔ اور بلفظ دوم: ولیخرجن تفلات (اور وہ خوشبو لگائے بغیر نکلیں) کے اضافے کے ساتھ امام احمد وابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ

ف: انھیں وجوہ سے صحیح وموکد احادیث کا خلاف کیا جاتا ہے اور وہ خلاف نہیں ہوتا جیسے عورتوں کا جماعت وجمعہ وعیدین میں حاضر ہونا کہ زمانہ رسالت میں حکم تھا اور اب مطلقاً منع ہے۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب الاذان باب استیذان المرأۃ زوجہا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۰
صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب خروج النساء الی المساجد الخ " " " ۱/ ۱۸۳
مسند احمد بن حنبل عن ابن عمر المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۷
سنن النسائی کتاب المساجد النہی عن منع النساء الخ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۱۱۵

[2] صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب خروج النساء الی المساجد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۳
مسند احمد بن حنبل عن ابن عمر المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۱۶

[3] سنن ابی داؤد کتاب الصلوٰۃ باب ماجاء فی خروج النساء الی المساجد آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۸۴
مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۴۳۸ و ۴۷۵ و ۵۲۸

9

وقد امر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم باخراج الحیض و ذوات الخدور یوم العیدین فیشھدن جماعۃ المسلمین ودعوتھم و تعتزل الحیض المصلی قالت امرأۃ یارسول اللہ احدانا لیس لھا جلباب قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لتلبسھا صاحبتھا من جلبابھا رواہ البخاری[1] ومسلم[2] واٰخرون عن ام عطیۃ رضی اللہ تعالٰی عنھا۔

ومع ذٰلک نھی الائمۃ الشواب مطلقا والعجائز نھارا ثم عمموا النھی عملا بقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الضروری المستفاد من قول ام المؤمنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنھا لوان رسول اللہ

تعالٰی عنہ سے انھوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کی ۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ بھی حکم دیا کہ روز عیدین حیض والی اور پردہ نشین عورتوں کو باہر لائیں تاکہ وہ مسلمانوں کی جماعت و دُعا میں شریک ہوں، اور حیض والی عورتیں عیدگاہ سے الگ رہیں ۔ ایک خاتون نے عرض کیا ؛ یا رسول اللہ! ہماری بعض عورتوں کے پاس چادر نہیں ۔ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا : ساتھ والی عورت اسے اپنی چادر کا ایک حصّہ اُڑھا دے ۔ اسے بخاری و مسلم اور دیگر محدثین نے حضرت اُمِّ عطیہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا۔

اس کے باوجود ائمہ کرام نے جوان عورتوں کو مطلقاً اور بوڑھی عورتوں کو صرف دن میں مسجد جانے سے منع فرمایا ۔ پھر سب کے لئے ممانعت عام کر دی ۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اُس "قول ضروری" پر عمل کے تحت کیا جو ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے درج ذیل بیان سے مستفاد ہے: "اگر رسول اللہ

ف : مسئلہ رات ہو یا دن، عورت جوان ہو یا بوڑھی، جمعہ ہو یا عید، یا جماعت پنجگانہ یا مجلسِ وعظ، مطلقاً عورتوں کا جانا منع ہے ۔

[1] صحیح البخاری کتاب الحیض باب شھود الحائض العیدین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۶

[2] صحیح مسلم کتاب العیدین فصل فی اخراج العواتق و ذوات الخدور الخ " " ۱/۲۹۱

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رأی من النساء ما رأینا لمنعھن من المسجد کما منعت بنو اسرائیل نساءھا[1] رواہ احمد والبخاری ومسلم۔

صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم ان عورتوں کا وہ حال مشاہدہ کرتے جو ہم نے مشاہدہ کیا تو انھیں مسجد سے روک دیتے جیسے بنی اسرائیل نے اپنی عورتوں کو روک دیا" (احمد، بخاری، مسلم)

قال فی التنویر والدر (یکرہ حضورھن الجماعۃ) ولو لجمعۃ وعید ووعظ (مطلقا) ولو عجوزا لیلا (علی المذھب المفتی بہ لفساد الزمان واستثنی الکمال بحثا العجائز المتفانیۃ[2] اھ۔

تنویر الابصار اور اس کی شرح درمختار میں ہے: (قوسین میں متن کے الفاظ ہیں ۱۲م) (جماعت میں) اگرچہ جمعہ یا عید اور وعظ کی ہو (عورتوں کی حاضری مطلقاً) اگرچہ بڑھیا ہو اگرچہ رات ہو (مکروہ ہے ہمارے مذہب پر) اس مذہب پر جس پر فسادِ زمان کی وجہ سے فتویٰ ہے۔ اور کمال ابن الہمام نے بطور بحث فنا کے قریب پہنچنے والی بوڑھی عورتوں کا استثنا کیا ہے اھ۔

والمراد بالمذھب مذھب المتاخرین ولما رد علیہ البحر بان ھذہ الفتوی مخالفۃ لمذھب الامام وصاحبیہ جمیعا فانھما اباحا للعجائز الحضور مطلقا والامام فی غیر الظھر والعصر والجمعۃ فالافتاء بمنع العجائز فی الکل مخالف

مذہب سے مراد مذہب متاخرین ہے۔ اس پر صاحب بحر نے یوں رَد کیا ہے کہ یہ فتویٰ حضرات امام وصاحبین سبھی کے مذہب کے خلاف ہے اس لئے کہ صاحبین نے بوڑھی عورتوں کے لئے مطلقاً جواز رکھا ہے اور امام نے ظہر، عصر اور جمعہ کے علاوہ میں جائز کہا ہے۔ تو بوڑھی عورتوں کے لئے سبھی نمازوں میں ممانعت کا

---

[1] صحیح البخاری کتاب الاذان باب خروج النساء الی المساجد باللیل قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۰
صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ " " " " " " " " " ۱/ ۱۸۳
مسند احمد بن حنبل عن عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا المکتب الاسلامی بیروت ۶/ ۹۱ و ۱۹۳ و ۲۳۵
[2] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۸۳

للکل فالمعتمد مذهب الامام اھ
بمعناه اجاب عنه فی النهر قائلا
فیه نظر بل هو ماخوذ من قول
الامام وذلك انه انما منعها لقیام
الحامل وهو فرط الشهوة بناء
علی ان الفسقة لاینتشرون
فی المغرب لانهم بالطعام
مشغولون وفی الفجر والعشاء
نائمون فاذا فرض انتشارهم
فی هذه الاوقات لغلبة
فسقهم کما فی ف زماننا بل
تحریهم ایاها کان المنع
فیها اظهر من الظهر اھ
قال الشیخ اسمعیل وهو
کلام حسن الی الغایة[1] اھ ش۔

السادسة ف حامل اخر علی
العدول عن قول الامام مختص
باصحاب النظر وهو ضعف دلیله
اقول ای فی نظرهم وذلك لانهم

فتوٰی دینا سبھی کے خلاف ہے۔ معتمد مذہب امام
ہے اھ — نہر میں اس تردید پر جواباً یہ تحریر ہے،
یہ محلِ نظر ہے اس لئے کہ زیرِ بحث فتوٰی قولِ امام
سے ہی ماخوذ ہے وہ اس لئے کہ امام نے جن اوقات
میں منع فرمایا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ باعث منع
موجود ہے وہ ہے زیادتیِ شہوت، اس لئے کہ
فساق کھانے میں مشغولیت کی وجہ سے مغرب کے
وقت راہوں میں منتشر نہیں رہتے اور فجر وعشا کے
وقت سوئے ہوتے (اور دیگر اوقات میں منتشر
رہتے ہیں) تو جب فرض کیا جائے کہ وہ غلبۂ فسق کی وجہ سے
ان تینوں اوقات میں بھی منتشر رہتے ہیں جیسے ہمارے
زمانے کا حال ہے بلکہ وہ خاص ان ہی اوقات
میں نکلنے کی تاک میں رہتے ہیں، تو ان اوقات
میں عورتوں کے لئے ممانعت، ظہر کی ممانعت
سے زیادہ ظاہر وواضح ہوگی۔ اھ۔ شیخ اسمٰعیل
فرماتے ہیں: "یہ نہایت عمدہ کلام ہے اھ۔" (شامی)
مقدمۂ ششم: قولِ امام چھوڑنے کا ایک
اور باعث ہے جو اصحابِ نظر کے لئے خاص ہے۔
وہ یہ کہ اس کی دلیل کمزور ہو۔ **اقول** یعنی
ان حضرات کی نظر میں کمزور ہو — ان کے لئے

ف: العدول عن قوله بدعوی ضعف دلیله خاص بالمجتهدین فی المذهب وهم لایخرجون به عن المذهب۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۳۸۰
البحرالرائق باب الامامۃ ۱/۳۵۹ و نہرالفائق باب الامامۃ الخ ۱/۲۵۱ قدیمی کتب خانہ کراچی

مأمورون باتباع مایظهر لهم قال تعالٰی "فاعتبروا یٰاولی الابصار"[1] ولا تکلیف الا بالوسع فلا یسعهم الا العدول ولا یخرجون بذلك عن اتباع الامام بل متبعون لمثل قوله العام اذا صح الحدیث فهو مذهبی، ففی شرح الهدایة لابن الشحنة ثم شرح الاشباه لبیری ثم رد المحتار "اذا صح الحدیث وکان علی خلاف المذهب عمل بالحدیث ویکون ذلك مذهبه ولا یخرج مقلده عن کونه حنفیا بالعمل به فقد صح عنه انه قال اذا صح الحدیث فهو مذهبی"[2] اھ۔

یہاں قولِ امام چھوڑنے کا جواز اس لئے ہے کہ انھیں اسی کی اتباع کا حکم ہے جو ان پر ظاہر ہو — باری تعالٰی کا ارشاد ہے: اے بصیرت والو! نظر و اعتبار سے کام لو۔ اور تکلیف بقدر وسعت ہی ہوتی ہے۔ تو ان کے لئے چھوڑنے کے سوا کوئی گنجائش نہیں۔ اور وہ اس کے باعث اتباعِ امام سے باہر نہ ہوں گے، بلکہ امام کے اِس طرح کے قول عام کے متبع رہیں گے: اذا صح الحدیث فهو مذهبی جب حدیث صحیح ہوجائے تو وہی میرا مذہب ہے۔ ابن شحنہ کی شرح ہدایہ، پھر بیری کی شرح اشباہ، پھر رد المحتار میں ہے: جب حدیث صحیح ہو اور مذہب کے خلاف ہو تو حدیث پر عمل ہوگا اور وہی امام کا بھی مذہب ہوگا، اس پر عمل کی وجہ سے ان کا مقلد حنفیت سے باہر نہ ہوگا اس لئے کہ خود امام سے بروایت صحیح یہ ارشاد ثابت ہے کہ جب حدیث صحیح مل جائے تو وہی میرا مذہب ہے اھ۔

اقول ف یرید الصحة فقها ویستحیل معرفتها الا للمجتهد

اقول یہاں صحت سے صحتِ فقہی مراد ہے جس کی معرفت غیر مجتہد کے لئے محال ہے۔

ف: المراد فی اذا صح الحدیث فهو مذهبی هی الحجة الفقهیة و لا تکفی الاثریة۔

---

[1] القرآن الکریم ۵۹/۲

[2] رد المحتار مقدمة الکتاب مطلب صح عن الامام انه قال اذا صح الحدیث الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۴۶

لا الصحة المصطلحة عند المحدثین کما بینته فی الفضل الموهبی بدلائل قاهرة یتعین استفادتها۔

اصطلاحِ محدثین والی صحت مراد نہیں۔ جیسا کہ میں نے الفضل الموہبی میں اسے ایسے قاہر دلائل سے بیان کیا ہے جن سے آگاہی ضروری ہے۔

قال ش فاذا نظر اهل المذهب فی الدلیل وعملوا به صح نسبته الی المذهب لکونه صادرا باذن صاحب المذهب اذ لا شك انه لو علم ضعف دلیله رجع عنه واتبع الدلیل الاقوی ولذا رد المحقق ابن الهمام علی بعض المشائخ (حیث) افتوا بقول الامامین بانه لایعدل عن قول الامام الا لضعف دلیله[1] اھ۔

علامہ شامی فرماتے ہیں، جب اہلِ مذہب نے دلیل میں نظر کی اور اس پر کاربند ہوئے تو مذہب کی جانب اسے منسوب کرنا بجا ہے اس لئے کہ یہ صاحبِ مذہب کے اذن ہی سے ہوا کیونکہ انھیں اگر اپنی دلیل کی کمزوری معلوم ہوتی تو یقیناً وہ اس سے رجوع کرکے اس سے زیادہ قوی دلیل کی پیروی کرتے۔ اسی لئے جب بعض مشایخ نے صاحبین کے قول پر فتوٰی دیا تو محقق ابن الہمام نے ان کی تردید فرمائی کہ امام کے قول سے انحراف نہ ہوگا سوا اس صورت کے کہ اس کی دلیل کمزور ہو اھ۔

اقول (ف) هذا غیر معقول ولا مقبول وکیف یظهر ضعف دلیله فی الواقع لضعفه فی نظر بعض مقلدیه وهؤلاء اجلة ائمة الاجتهاد المطلق مالك والشافعی واحمد ونظراؤهم رضی الله تعالٰی عنهم

اقول یہ ناقابلِ فہم اور ناقابلِ قبول ہے ــــ بعض مقلدین کی نظر میں دلیل کے کمزور ہونے سے دلیلِ امام کا فی الواقع کمزور ہونا کیسے ظاہر ہوسکتا ہے؟ ــــ اجتہادِ مطلق کے حامل یہ بزرگ ائمہ مالک، شافعی، احمد اور ان کے ہم پایہ حضرات رضی اللہ تعالٰی عنہم

ف: معروضة علی العلامة ش۔

[1] رد المحتار مقدمۃ الکتاب مطلب صح عن الامام انہ قال اذا صح الحدیث الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۶

يطبقون كثيرا على خلاف الامام وهو اجماع منهم على ضعف دليله ثم لايظهر بهذا ضعفه ولا ان مذهب هؤلاء مذهبه فكيف بمن دونهم ممن لم يبلغ رتبتهم نعم هم عاملون في نظرهم بقوله العام فمعذورون بل ماجورون ولا يتبدل بذلك المذهب[ف] الاترى ان تحديد الرضاع بثلثين شهرا دليله ضعيف بل ساقط عند اكثر المرجحين ولا يجوز لاحد ان يقول الاقتصار على عامين مذهب الامام وتحريم حليلة الاب والابن رضاعا نظر فيه الامام البالغ رتبة الاجتهاد المحقق على الاطلاق وزعم ان لادليل عليه بل الدليل قاض بحلهما ولم ار من اجاب عنه وقد تبعه عليه ش فهل يقال ان تحليلهما مذهب الامام

بارہا مخالفتِ امام پر متفق نظر آتے ہیں، یہ ان حضرات کا اس بات پر اجماع ہے کہ اس جگہ دلیلِ امام کمزور ہے۔ پھر بھی اس سے واقعۃً اس کا کمزور ہونا ثابت نہیں ہوتا، نہ ہی یہ ثابت ہوتا کہ ان حضرات کا جو مذہب ہے وہی امام کا بھی مذہب ہے — جب ان کا یہ معاملہ ہے تو اُن کا کیا حکم ہوگا جو ان سے فروتر ہیں جنھیں ان کے منصب تک رسائی حاصل نہیں؛ ہاں وہ اپنی نظر میں امام کے قولِ عام پر عامل ہیں اس لئے معذور بلکہ ماجور اور مستحق ثواب ہیں — مگر اس وجہ سے مذہبِ امام بدل نہ جائے گا — دیکھئے مدتِ رضاعت تیس ماہ ٹھہرانے کی دلیل اکثر مرجحین کے نزدیک ضعیف بلکہ ساقط ہے۔ پھر بھی کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ دو سال پر اکتفا کرنا ہی مذہبِ امام ہے۔ یوں ہی رضاعی باپ اور رضاعی بیٹے کی بیوی کے حرام ہونے کے حکم میں رتبۂ اجتہاد تک رسائی پانے والے امام محقق علی الاطلاق کو کلام ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اس پر کوئی دلیل نہیں بلکہ دلیل یہ حکم کرتی ہے کہ دونوں حلال ہیں — میں نے اس کلام کا جواب کسی کتاب میں نہ دیکھا — علامہ شامی نے بھی انہی کی پیروی کی ہے — پھر بھی کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان دونوں کی حلت ہی مذہب امام

ف: لایتبدل المذہب بتصحیحات المرجحین خلافہ۔

كلا بل بحث من ابن الهمام۔

وليس فيما[1] ذكر عن ابن الهمام المام الى ما ادعى من صحة جعله مذهب الامام انما فيه جواز العدول لهم اذا استضعفوا دليله واين هذا من ذالك۔

نعم فی الوجوه السابقة تصح النسبة الى المذهب لاحاطة العلم بانه لو وقع فی زمنه لقال به كما قال فی التنوير لمسألة نهی النساء مطلقا عن حضور المساجد على المذهب وهذه نكتة غفل[2] منها المحقق ش ففسر المذهب بمذهب المتأخرين۔

هذا واما نحن فلم نؤمر بالاعتبار كاولى الابصار

ہے؟ — ہرگز نہیں! بلکہ یہ صرف ابن الہمام کی ایک بحث ہے۔

علامہ شامی نے جو دعوٰی کیا کہ صاحبِ نظر جس پر عمل کرلے اُسے مذہبِ امام قرار دینا بجا ہوگا اِس کا امام ابن الہمام سے نقل کردہ کلام میں کوئی اشارہ بھی نہیں اس میں تو بس اس قدر ہے کہ اہلِ نظر کو جب قولِ امام کی دلیل کمزور معلوم ہو تو ان کے لئے اس سے انحراف جائز ہے — کہاں یہ، اور کہاں وہ؟

ہاں سابقہ چھ صورتوں میں مذہب امام کی طرف انتساب بجا ہے اس لئے کہ وہاں اس بات کا پُورے طور سے یقین ہے کہ وہ حالت اگر ان کے زمانے میں واقع ہوتی تو وہ بھی اسی کے قائل ہوتے — جیسا کہ تنویر الابصار میں مسجدوں کی حاضری سے عورتوں کی مطلقاً ممانعت کے مسئلے میں "علی المذہب" (بربنائے مذہب) فرمایا — محقق شامی کو اس نکتے سے غفلت ہوئی اس لئے انھوں نے مذہب کی تفسیر میں "مذہب متاخرین" لکھ دیا — یہ ذہن نشین رہے۔

اُوپر کی گفتگو اہلِ نظر سے متعلق تھی، رہے ہم لوگ تو ہمیں اہلِ نظر کی طرح نظر و اعتبار کا

ف[1]: معروضة عليه

ف[2]: معروضة عليه

بل بالسؤال والعمل بما یقوله الامام غیر باحثین عن دلیل سوی الاحکام فان کان العدول للوجوه السابقة اشترك فیه الخواص والعوام اذ لاعدول حقیقة بل عمل بقول الامام و ان کان لدعوی ضعف الدلیل اختص بمن یعرفه ولذا قال فی البحر قد وقع للمحقق ابن الهمام فی مواضع الرد علی المشائخ فی الافتاء بقولهما بانه لایعدل عن قوله الا لضعف دلیله، لکن هو (ای المحقق) اهل للنظر فی الدلیل و من لیس باهل للنظر فیه فعلیه الافتاء بقول الامام[1] اھ۔

حکم نہیں بلکہ ہم اس کے مامور ہیں کہ احکام کے سوا کسی دلیل کی جستجو اور چھان بین میں نہ جا کر صرف قولِ امام دریافت کریں اور اس پر کاربند ہو جائیں ــــ اب اگر قولِ امام سے عدول و انحراف سابقہ چھ وجہوں کے تحت ہے تو اس میں خواص وعوام سب شریک ہیں کیونکہ حقیقۃً یہاں انحراف نہیں بلکہ قولِ امام پر عمل ہے ــــ اور اگر ضعفِ دلیل کے دعوے کی وجہ سے انحراف ہو تو یہ اہلِ معرفت سے خاص ہے۔ اسی لئے بحر میں رقم طراز ہیں کہ: محقق ابن الہمام کے قلم سے متعدد مقامات پر قول صاحبین پر فتوٰی دینے کی وجہ سے مشایخ کا رَد ہوا ہے وہ لکھتے ہیں کہ قول امام سے انحراف نہ ہو گا بجز اس صورت کے کہ اس کی دلیل کمزور ہو ــــ لیکن وہ محقق موصوف دلیل میں نظر کی اہلیت رکھتے ہیں ــــ جو اس کا اہل نہ ہو اس پر تو یہی لازم ہے کہ قولِ امام پر فتوے دے اھ۔

السابعة[ف] اذا اختلف التصحیح تقدم قول الامام الاقدم فی رد المحتار قبل ما یدخل فی البیع تبعا اذا اختلف

مقدمہ ہفتم: جب تصحیح میں اختلاف ہو تو امام اعظم کا قول مقدم ہو گا ــــ ردالمحتار میں "مایدخل فی البیع تبعا" (بیع میں تبعاً داخل ہونے والی چیزوں کے بیان) سے

ف: عند اختلاف التصحیح یقدم قول الامام۔

[1] البحر الرائق کتاب القضاء فصل یجوز تقلید من شاء الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/۲۷۰

التصحیح اخذ بما ھو قول الامام لانہ صاحب المذھب[1] اھ۔

پہلے یہ تحریر ہے، جب تصحیح میں اختلاف ہو تو اسی کو لیا جائے گا جو امام کا قول ہے اس لئے کہ صاحبِ مذہب وہی ہیں اھ۔

وقال فی الدر فی وقف البحر وغیرہ متی کان فی المسألۃ قولان مصححان جاز القضاء والافتاء باحدھما[2] اھ فقال العلامۃ ش لاتخییر لوکان احدھما قول الامام والاٰخر قول غیرہ لانہ لما تعارض التصحیحان تساقطا فرجعنا الی الاصل وھو تقدیم قول الامام بل فی شھادات الفتاوی الخیریۃ المقرر عندنا انہ لایفتی ولایعمل الا بقول الامام الاعظم ولایعدل عنہ الی قولھما او قول احدھما او غیرھما الا لضرورۃ کمسألۃ المزارعۃ وان صرح المشایخ بان الفتوی علی قولھما لانہ صاحب المذھب والامام المقدم[3] اھ ومثلہ فی البحر

درمختار میں ہے کہ: البحرالرائق کتاب الوقف وغیرہ میں لکھا ہوا ہے کہ جب کسی مسئلہ میں دو قول تصحیح یافتہ ہوں تو دونوں میں سے کسی پر بھی قضاوافتا جائز ہے اھ۔ اس پر علامہ شامی نے لکھا کہ یہ تخییر اس صورت میں نہیں جب دونوں قولوں میں ایک قولِ امام ہو اور دوسرا کسی اور کا قول ہو۔ اس لئے کہ جب دونوں تصحیحوں میں تعارض ہوا تو دونوں ساقط ہوگئیں اب ہم نے اصل کی جانب رجوع کیا، اصل یہ ہے کہ قولِ امام مقدم ہوگا بلکہ فتاوٰی خیریہ کتاب الشہادات میں ہے کہ: ہمارے نزدیک طے شدہ امر یہ ہے کہ فتوٰی اور عمل امامِ اعظم ہی کے قول پر ہو گا اسے چھوڑ کر صاحبین یا ان میں سے کسی ایک، یا کسی اور کا قول اختیار نہ کیا جائے گا بجز صورت ضرورت کے، جیسے مسئلہ مزارعت میں ہے۔ اگرچہ مشایخ نے تصریح فرمائی ہو کہ فتوٰی قولِ صاحبین پر ہے۔ اس لئے کہ وہی صاحبِ مذہب اور امامِ مقدم ہیں اھ ۔۔ اسی کے مثل بحر میں

---

[1] ردالمحتار — کتاب البیوع — داراحیاء التراث العربی بیروت — ۴/ ۳۳
[2] الدرالمختار — رسم المفتی — مطبع مجتبائی دہلی — ۱/ ۱۴
[3] ردالمحتار — " — داراحیاء التراث العربی بیروت — ۱/ ۴۹

وفیہ یحل الافتاء بقول الامام بل یجب وان لم یعلم من این قال[1] اھ۔

بھی ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ قولِ امام پر افتا جائز بلکہ واجب ہے اگرچہ یہ معلوم نہ ہو کہ ان کی دلیل اور ماخذ کیا ہے اھ۔

اذا عرفت ھذا وضح لك کلام البحر وطاح کل ما رد به علیه وان شئت التفصیل المزید، فالق السمع وانت شهید۔

ان مقدمات وتفصیلات سے آگاہی کے بعد آغازِ رسالہ میں نقل شدہ کلامِ بحر کا مطلب روشن وواضح ہوگیا اور جو کچھ اس کی تردید میں لکھا گیا بیکار وبے ثبات ٹھہرا — مزید تفصیل کا اشتیاق ہے تو گوشِ ہوش سماعت ہو۔

قول ش رحمه الله تعالٰی لایخفی علیك مافی ھذا الکلام من عدم الانتظام[2]

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالٰی: اس کلام کی بے نظمی ناظرین پر مخفی نہیں۔

اقول بل هو متسق النظام اخذ بعضه بحجز بعض کما ستری۔

اقول نہیں بلکہ پورا کلام مربوط ومبسوط، ایک دوسرے کی گرہ تھامے ہوئے ہے جیسا کہ ابھی عیاں ہوگا۔

قول العلامة الخیر قوله مضاد لقول الامام[3]

علامہ خیر رملی: اس کلام اور کلامِ امام میں تضاد ہے۔

اقول تعرف^ف بالرابعة ان قول الامام فی الفتوی الحقیقیة فیختص باهل النظر لامحمل له غیره والاکان تحریما للفتوی العرفیة مع

اقول مقدمہ چہارم سے معلوم ہوا کہ قولِ امام فتوائے حقیقی سے متعلق ہے، تو وہ قول صرف اہلِ نظر کے حق میں ہے، اس کے سوا ان کے کلام کا اور کوئی معنی ومحمل نہیں ورنہ لازم آئیگا کہ امام نے فتوائے عرفی کو حرام کہا، حالانکہ وہ

ف: **تطفل** علی العلامة الخیر الرملی وعلی ش۔

---

[1] البحر الرائق کتاب القضاء فصل یجوز تقلید من شاء الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۲۶۹

[2] شرح عقود رسم المفتی رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۲۹

[3] " " " " " " " ۱/ ۲۹

حلها بالاجماع وفی قضاء منحة الخالق عن الفتاوی الظهیریة روی عن ابی حنیفة رضی الله تعالٰی عنه انه قال لا یحل لاحد ان یفتی بقولنا مالم یعلم من این قلنا وان لم یکن اهل الاجتهاد لا یحل له ان یفتی الا بطریق الحکایة اھ[1]

وقول البحر فی الفتوی العرفیة لامحمل له سواہ لقوله اما فی زماننا فیکتفی بالحفظ وقوله وان لم نعلم و وقوله یجب علینا الافتاء بقول الامام وقوله امانحن فلنا الافتاء فاین التضاد ولم یردا موردا واحدا۔

قوله هو صریح فی عدم جواز الافتاء لغیر اهل الاجتهاد فکیف یستدل به علی وجوبه[2]

اقول نعم(ف) صریح فی

بالاجماع جائز و حلال ہے — منحۃ الخالق کتاب القضاء میں فتاوٰی ظہیریہ سے منقول ہے: امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: کسی کے لئے ہمارے قول پر فتوٰی دینا روا نہیں جب تک یہ نہ جان لے کہ ہم نے کہاں سے کہا۔ اور اگر اہلِ اجتہاد نہ ہو تو اس کے لئے فتوٰی دینا جائز نہیں مگر نقل و حکایت کے طور پر فتوٰی دے سکتا ہے اھ۔

اور بحر کا کلام فتوائے عرفی سے متعلق ہے، اس کے سوا اس کا کوئی اور معنی و محل نہیں، دلیل میں ان کے یہ الفاظ دیکھیں (ا) لیکن ہمارے زمانے میں بس یہی کافی ہے کہ ہمیں امام کے اقوال حفظ ہوں (ب) اگرچہ ہمیں دلیل معلوم نہ ہو۔ (ج) قول امام پر فتوٰی دینا ہم پر واجب ہے۔ (د) امانحن فلنا الافتاء — مگر ہم فتوٰی دے سکتے ہیں الخ — اب بتائیے جب دونوں کلام کا مورد و محل ایک نہیں ہے تو تضاد کہاں سے ہوا؟

خیر رملی: قولِ امام سے صراحۃً واضح ہے کہ اہلیتِ اجتہاد کے بغیر فتوٰی دینا ناجائز ہے، پھر اس سے وجوبِ افتاء پر استدلال کیسے؟

اقول ہاں اس سے فتوائے حقیقی کا

ف: تطفل علی الخیر وعلی ش۔

[1] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب القضاء فصل یجوز تقلید من شاء الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/۲۶۹

[2] شرح عقود رسم المفتی رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۲۹

عدم جواز الحقیقی ونشوء الحرمۃ والجواز معا عن شیئ واحد فرغنا عنہ فی الثالثۃ۔

عدم جواز صراحۃً واضح ہے (اور بحر میں فتوائے عرفی کا وجوب مذکور ہے) اب رہا یہ کہ ایک ہی چیز سے دوسری چیز کی حرمت وحلت دونوں کیسے پیدا ہوسکتی ہیں؟ اس کی تحقیق ہم مقدمۂ سوم میں کر آئے ہیں۔

قولہ فنقول مایصدر من غیر الاھل لیس بافتاء حقیقۃ۔[۱]

خیر رملی: ہم یہ کہتے ہیں کہ غیر اہل اجتہاد سے جو حکم صادر ہوتا ہے وہ حقیقۃً افتا نہیں۔

اقول فیہ[ف۱] کان الجواب عن التضاد لو التفتم الیہ۔

اقول آپ کی اسی عبارت میں اعتراض کا جواب بھی تھا، اگر آپ نے التفات فرمایا ہوتا۔

قولہ وانما ھو حکایۃ عن المجتہد۔[۲]

خیر رملی: وہ تو امام مجتہد سے صرف نقل و حکایت ہے۔

اقول لا[ف۲] وانظر الاولی۔

اقول ایسا نہیں ــــ ملاحظہ ہو مقدمۂ اول۔

قولہ تجوز حکایۃ قول غیر الامام۔[۳]

خیر رملی: غیر امام کے قول کی نقل و حکایت بھی جائز ہے۔

اقول لاحجر[ف۳] فی الحکایۃ ولو قولا خارجا عن المذھب انما الکلام فی التقلید والمجتھد

اقول نقل وحکایت سے کوئی رکاوٹ نہیں اگرچہ مذہب سے باہر کسی کا قول ہو ــــ یہاں گفتگو تقلید سے متعلق ہے ــــ اور مجتہد مطلق

ف۱: **تطفل** علی الخیر وعلی ش

ف۲: **تطفل** علی الخیر وعلی ش

ف۳: **تطفل** علی الخیر وعلی ش۔

---

[۱] شرح عقود رسم المفتی رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۲۹

[۲] " " " " " " " " "

[۳] " " " " " " " " "

المطلق احق به ممن دونه فلم لاتجیزون الافتاء باقوال الائمة الثلثة بل ومن سوی الاربعة رضی الله تعالٰی عنهم فان اجزتم ففیم التمذهب وتلك المشاجرات بل سقط المبحث راسا وانهدام النزاع بنفس النزاع کما سیأتی بیانه ان شاء الله تعالٰی۔

اپنے سے فروتر حضرات سے زیادہ اس کا مستحق ہے کہ اس کی تقلید کی جائے ـــــ پھر آپ ائمہ ثلاثہ (مالک وشافعی واحمد رحمہم اللہ تعالٰی) بلکہ ائمہ اربعہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے علاوہ دیگر ائمہ کے اقوال پر فتوٰی دینے کو جائز کیوں نہیں کہتے ؟ ـــــ اگر آپ اجازت دیتے ہیں تو مذہب امام کی پابندی کس بات میں ؟ اور یہ سارے اختلافات کیسے ؟ بلکہ صرف اس نزاع ہی سے سارا نزاع ختم اور وہ پوری بحث ہی سرے سے ساقط ہوگئی۔ جیسا کہ اس کی وضاحت ان شاء اللہ تعالٰی آگے آئے گی۔

قوله فکیف یجب علینا الافتاء بقول الامام۔

خیر رملی : تو قولِ امام پر فتوٰی دینا ہم پر واجب کیسے ؟

اقول ف۱ لانا ف۲ قلدناه لا من سواه وقد اعترف به السید الناقل فی عدة مواضع منها صدر رد المحتار قبیل رسم المفتی انا التزمنا تقلید

اقول اس لئے کہ تقلید ہم نے انہی کی کی ہے دوسرے کی نہیں، اور سید ناقل (علامہ شامی) نے تو متعدد مقامات پر خود اس کا اعتراف کیا ہے۔ ان میں دو مقام یہ ہیں : (۱) رسم المفتی سے ذرا پہلے شروع رد المحتار میں لکھتے ہیں : ہم

ف۱ : علی الخیر وعلی ش۔

ف۲ : علامہ شامی فرماتے ہیں ہم نے صرف تقلیدِ امام اعظم اپنے اوپر لازم کی ہے نہ کسی اور کی۔ ولہذا ہمارا مذہب حنفی کہا جاتا ہے، نہ یوسفی وغیرہ امام ابو یوسف وغیرہ کی نسبت سے۔

---

[1] شرح عقود رسم المفتی رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۲۹

مذهبه دون مذهب غيره ولذا
نقول ان مذهبنا حنفي
لايوسفي ونحوه[1] اهـ اي
الشيباني نسبة الى ابي يوسف
اومحمد رضي الله تعالیٰ عنهم
وقال في شرح العقود الحنفي
انما قلد اباحنيفة ولذا
نسب اليه دون
غيره[2] اهـ.

قوله وانما نحكي فتواهم
لاغير[3]

اقول[ف۱] سبحٰن الله بل انما نقلد
امامنا لاغير ثم[ف۲] ليس افتاؤنا
عندكم الاحكاية قول غيرنا
فمن ذا الذي حرم
علينا حكاية قول امامنا
واوجب حكاية قول غيره
من اهل مذهبنا

نے انہی کے مذہب کی تقلید کا التزام کیا ہے
دوسرے کے مذہب کا نہیں۔ اسی لئے ہم
کہتے ہیں کہ ہمارا مذہب حنفی ہے، یوسفی وغیرہ
نہیں اھ — یعنی شیبانی بھی نہیں۔ یہ امام
ابو یوسف اور امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہما
کی طرف نسبت ہے۔ (۲) شرح عقود میں لکھتے
ہیں، حنفی نے بس امام ابوحنیفہ کی تقلید کی ہے،
اسی لئے وہ انہی کی طرف منسوب ہوتا ہے
کسی اور کی طرف نہیں اھ۔

خیر رملی: حالاں کہ ہم تو صرف فتوائے مشائخ
کے ناقل ہیں کچھ اور نہیں۔

اقول سبحان اللہ! بلکہ ہم صرف امام اعظم
کے مقلد ہیں کچھ اور نہیں — پھر آپ کے
نزدیک ہمارے افتاء کی حقیقت کیا ہے؟ صرف
دوسروں کے اقوال کی نقل وحکایت! — تو وہ
کون ہے جس نے ہم پر اپنے امام کے قول کی
حکایت حرام کردی اور اہلِ مذہب میں سے
دیگر حضرات کے قول کی حکایت واجب کردی؟

ف۱: تطفل علی الخیر وعلی ش
ف۲: تطفل علی الخیر وعلی ش

---

[1] رد المحتار — مطلب صح عن الامام اذا صح الحدیث الخ — دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۴۶
[2] شرح عقود رسم المفتی — رسالہ من رسائل ابن عابدین — سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۲۴
[3] " " " " " " " " " " " " " " "

فان کانوا مرجحین بالکسر فلیسوا مرجحین علی الامام بالفتح۔

قول ش المشائخ اطلعوا علی دلیل الامام وعرفوا من این قال[1]۔

اقول ف۱ من این عرفتم هذا وبای ف۲ دلیل اطلعتم علیه انما المنقول عن الامام المسائل دون الدلائل واجتهد الاصحاب فاستخرجوا لها دلائل کل حسب مبلغ علمه ومنتهی فهمه ولم یدرکوا شاوه ولا معشاره ولربما لم یلحقوا غباره، فان قلتم فقولوا اطلعوا علی دلیل قول الامام ولا تقولوا علی دلیل الامام ورحم الله سیدی ط اذ قال فی قضاء حواشیه الدر قد یظهر قوة قوله (ای لاهل النظر

اگر وہ ترجیح دینے والے حضرات ہیں تو وہ امام پر ترجیح یافتہ نہیں ہوسکتے۔

علامہ شامی: مشایخ کو "دلیلِ امام" سے آگاہی ہوئی اور انھیں یہ معرفت حاصل ہوئی کہ قولِ امام کا ماخذ کیا ہے!

اقول یہ آپ کو کہاں سے معلوم ہوا! اور کس دلیل سے آپ کو اس کی دریافت ہوئی؟ — امام سے تو صرف مسائل منقول ہیں دلائل منقول نہیں — اصحاب نے اجتہاد کرکے ان مسائل کی دلیلوں کا استخراج کیا — یہ بھی ہر ایک نے اپنے مبلغِ علم اور منتہائے فہم کے اعتبار سے کیا اور کوئی بھی امام کی منزل کو نہ پاسکا بلکہ ان کے دسویں حصے کو بھی نہ پہنچا، اور زیادہ تر تو یہ ہے کہ یہ حضرات ان کی گردِ پا کو بھی نہ پاسکے — اگر کہنا ہے تو یوں کہئے کہ ہاں مشایخ کو "قولِ امام کی دلیل" سے آگاہی ملی یہ نہ کہئے کہ "امام کی دلیل" سے آگاہ ہوئے — سیدی طحطاوی پر خدا کی رحمت ہو وہ حواشی درمختار کتاب القضاء میں رقم طراز ہیں، قولِ امام کے خلاف کسی قول

ف۱: **معروضة علی العلامة ش۔**

ف۲: **فائدہ**: امام سے مسائل منقول ہیں دلائل مشائخ نے استنباط کئے ہیں اُن کا ضعف اگر ثابت بھی ہو تو قولِ امام کا ضعف لازم آنا درکنار دلیلِ امام کا بھی ضعف ثابت نہیں ہوتا، ممکن کہ امام نے اور دلیل سے فرمایا ہو۔

---

[1] شرح عقود رسم المفتی رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۲۹

فی قول خلاف قول الامام) بحسب ادراکه ویکون الواقع بخلافه او بحسب دلیل ویکون لصاحب المذهب دلیل اٰخر لم یطلع علیه[1] اھ۔

میں اہلِ نظر کو کبھی قوت نظر آتی ہے۔ یہ اس صاحبِ نظر کے علم وادراک کے لحاظ سے ہوتا ہے اور واقع میں اس کے برخلاف ہوتا ہے، یا کسی ایک دلیل کے لحاظ سے اسے ایسا معلوم ہوتا ہے جبکہ صاحبِ مذہب کے پاس کوئی اور دلیل ہوتی ہے جس سے یہ آگاہ نہیں۔ اھ۔

قولہ ولا یظن بھم انھم عدلوا عن قولہ لجھلھم بدلیلہ[2]۔

علامہ شامی: حضرات مشایخ کے بارے میں یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ انھوں نے قولِ امام سے انحراف اس لئے اختیار کیا کہ انھیں ان کی دلیل کا علم نہ تھا۔

اقول اولا افیظن به (ف۱) انه لم یدرك ما ادركوا فاعتمد شیئا اسقطوه لضعفه فیا للانصاف ای الظنین ابعد۔

اقول اولا توکیا حضرتِ امام کے متعلق یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ انھیں وہ دلیل نہ مل سکی جو مشایخ کو مل گئی، اس لئے انھوں نے ایک ایسی چیز پر اعتماد کر لیا جسے مشایخ نے ضعیف ہونے کی وجہ سے ساقط کر دیا؛ خدارا انصاف! دونوں میں سے کون سا گمان زیادہ بعید ہے؟

وثانیا لیس فیه (ف۲) ازراء بھم ان لم یبلغوا مبلغ امامھم

ثانیا یہ مشایخ اگر اپنے امام کے مبلغ علم کو نہ پا سکے تو اس میں ان کی کوئی بے عزتی نہیں۔

ف۱: معروضة علیه

ف۲: معروضة علیه

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب القضاء المکتبۃ العربیۃ کوئٹہ ۳/۱۷۶

[2] شرح عقود رسم المفتی رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۲۹

10

وقد ثبت ذلك عن اعظم المجتهدين فی المذهب الامام الثانی فضلا عن غیرہ فی الخیرات الحسان للامام ابن حجر المکی الشافعی روی الخطیب عن ابی یوسف ما رأیت احدا اعلم بتفسیر الحدیث ومواضع النکت التی فیہ من الفقہ من ابی حنیفۃ وقال ایضا ما خالفتہ فی شیئ قط فتدبرتہ الا رأیت مذھبہ الذی ذھب الیہ انجی فی الاٰخرۃ، وکنت ربما ملت الی الحدیث فکان ھو ابصر بالحدیث الصحیح منی، وقال کان اذا صمم علی قول درت علی مشائخ الکوفۃ ھل اجد فی تقویۃ قولہ حدیثا او اثرا؟ فربما وجدت الحدیثین والثلثۃ فاتیتہ بھا فمنھا مایقول فیہ ھذا غیر صحیح او غیر معروف فاقول

اُس پایۂ بلند تک نارسائی تو مجتہدین فی المذہب میں سب سے عظیم شخصیت امام ثانی قاضی ابویوسف سے ثابت ہے، کسی اور کا کیا ذکر وشمار؟ — امام ابن حجر مکی شافعی کی کتاب "الخیرات الحسان" میں ہے: (۱) خطیب امام ابویوسف سے راوی ہیں کہ مجھے کوئی ایسا شخص نظر نہ آیا جو ابوحنیفہ سے زیادہ حدیث کی تفسیر اور اس میں پائے جانے والے فقہی نکات کی جگہوں کا علم رکھتا ہو —

(۲) یہ بھی فرمایا: کسی بھی مسئلے میں جب میں نے ان کی مخالفت کی پھر اس میں غور کیا تو مجھے یہی نظر آیا کہ امام نے جو مذہب اختیار کیا وہی آخرت میں زیادہ نجات بخش ہے۔ بعض اوقات میرا میلان حدیث کی طرف ہوتا تو بعد میں یہی نظر آتا کہ امام کو حدیث کی بصیرت مجھ سے زیادہ ہے۔

(۳) یہ بھی فرمایا: جب امام کسی قول پر پختہ حکم کر دیتے تو میں مشائخ کوفہ کے پاس دورہ کرتا کہ دیکھوں ان کے قول کی تائید میں کوئی حدیث یا کوئی اثر ملتا ہے یا نہیں؟ بعض مرتبہ دو تین حدیثیں مل جاتیں، میں لے کر امام کے پاس آتا تو ان میں سے کسی حدیث کے بارے میں وہ فرماتے کہ یہ صحیح نہیں یا غیر معروف ہے، میں عرض

ف: **فائدہ جلیلہ**: اجلّۂ اکابر ائمۂ دین معاصران امام اعظم وغیرہم رضی اللہ تعالٰی عنہ وعنہم کی تصریحات کہ امام ابوحنیفہ کے علم وعقل کو اوروں کا علم وعقل نہیں پہنچتا، جس نے اُن کا خلاف کیا اُن کے مدارک تک نارسائی سے کیا۔

له وما علمك بذلك مع انه یوافق قولك؟ فیقول انا عالم بعلم اهل الکوفة، وکان عند الاعمش فسئل عن مسائل فقال لابی حنیفة ماتقول فیها؟ فاجابه قال من این لك هذا؟ قال من احادیثك التی رویتها عنك وسرد له عدة احادیث بطرقها فقال الاعمش حسبك ما حدثتك به فی مائة یوم تحدثنی به فی ساعة واحدة ما علمت انك تعمل بهذه الاحادیث یا معشر الفقهاء انتم الاطباء ونحن الصیادلة وانت ایها الرجل اخذت بکلا الطرفین[1] اھ۔

اقول وانما قال ما علمت الخ لانه لم یوف تلك الاحادیث موضعا لتلك الاحکام التی استنبطها منها الامام فقال ما علمت

کرتا یہ آپ کو کیسے معلوم ہوا، یہ تو آپ کے قول کے موافق بھی ہے؟ وہ فرماتے ہیں اہل کوفہ کے علم سے اچھی طرح باخبر ہوں۔ (ف) امام اعمش کے پاس حاضر تھے، حضرت اعمش سے کچھ مسائل دریافت کئے گئے، انھوں نے امام ابوحنیفہ سے فرمایا: تم ان مسائل میں کیا کہتے ہو؟ امام نے جواب دیا۔ حضرت اعمش نے فرمایا: یہ جواب کہاں سے اخذ کیا؟ عرض کیا: آپ کی انہی احادیث سے جو آپ سے میں نے روایت کیں۔ اور متعدد حدیثیں مع سندوں کے پیش کردیں۔ اس پر حضرت اعمش نے فرمایا: کافی ہے، میں نے سو دنوں میں تم سے جو حدیثیں بیان کیں وہ تم ایک ساعت میں مجھے سنائے دے رہے ہو، مجھے علم نہ تھا کہ ان احادیث پر تمھارا عمل بھی ہے۔ اے فقہا! تم طبیب ہو اور ہم عطار ہیں۔ اور اے مرد کامل! تم نے تو دونوں کنارے لئے۔ اھ۔

اقول "مجھے معلوم نہ تھا کہ ان احادیث پر تمھارا عمل بھی ہے" امام اعمش نے یہ اس لئے فرمایا کہ احادیث میں انھیں امام کے استنباط کردہ احکام کی کوئی جگہ نظر نہ آئی تو فرمایا کہ مجھے علم نہ تھا

ف: استاذ المحدثین امام اعمش شاگرد حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ واستاذ امام اعظم نے امام سے کہا: اے گروہ فقہا! تم طبیب ہو اور ہم محدثین عطار، اور اے ابوحنیفہ! تم نے دونوں کنارے لئے۔

[1] الخیرات الحسان الفصل الثلاثون ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۴۳ و ۱۴۴

انك تأخذ هٰذہ من هٰذہ۔ وقد قال الامام الاجل سفیٰن الثوری لامامنا رضی اللہ تعالٰی عنہما انہ لیکشف لك من العلم عن شیئ کلنا عنہ غافلون[۱]، وقال ایضا ان الذی یخالف اباحنیفۃ یحتاج الی ان یکون اعلٰی منہ قدرا واوفر علما وبعید ما یوجد ذلك[۲]، وقال لہ ابن شبرمۃ عجزت النساء ان یلدن مثلك ما علیك فی العلم کلفۃ[۳]، وقال ابوسلیمٰن کان ابوحنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عجبا من العجب وانما یرغب عن کلامہ من لم یقو علیہ[۴]، وعن علی بن عاصم

کہ یہ احکام تم ان احادیث سے اخذ کرتے ہو۔

(۵) امام اجل حضرت سفیان ثوری نے ہمارے امام رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا: آپ پر تو وہ علم منکشف ہوتا ہے جس سے ہم سبھی غافل ہوتے ہیں (۶) یہ بھی فرمایا، جو ابوحنیفہ کی مخالفت کرے اُسے اس کی ضرورت ہوگی کہ مرتبہ میں ابوحنیفہ سے بلند اور علم میں ان سے زیادہ ہو ــــ اور ایسا ہونا بہت بعید ہے ــــ (۷) ابن شبرمہ نے امام سے کہا: عورتیں آپ کا مثل پیدا کرنے سے عاجز ہیں، آپ کو علم میں ذرا بھی تکلف نہیں (۸) ابوسلیمان نے فرمایا: ابوحنیفہ ایک حیرت انگیز شخصیت تھے، ان کے کلام سے وہی اعراض کرتا ہے جسے اس کی قدرت نہیں ہوتی (۹) علی بن عاصم نے

ف۱: امام اجل سفیٰن ثوری نے ہمارے امام سے کہا آپ کو وہ علم کھلتا ہے جس سے ہم سب غافل ہوتے ہیں اور فرمایا ابوحنیفہ کا خلاف کرنے والا اس کا محتاج ہے کہ اُن سے مرتبہ میں بڑا اور علم میں زیادہ ہو اور ایسا ہونا دُور ہے۔

ف۲: امام شافعی نے فرمایا: تمام جہان میں کسی کی عقل ابوحنیفہ کے مثل نہیں۔ امام علی بن عاصم نے کہا: اگر ابوحنیفہ کی عقل تمام روئے زمین کے نصف آدمیوں کی عقلوں سے تولی جائے ابوحنیفہ کی عقل غالب آئے۔ امام بکر بن جیش نے کہا: اگر اُن کے تمام اہل زمانہ کی مجموع عقلوں کے ساتھ وزن کریں تو ایک ابوحنیفہ کی عقل ان تمام ائمہ و اکابر و مجتہدین و محدثین و عارفین سب کی عقل پر غالب آئے۔

[۱] الخیرات الحسان الفصل الثانی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۴
[۲] ؍؍ ؍؍ الفصل الثالث ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۷۶
[۳] ؍؍ ؍؍ ؍؍ الثانی ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۱۰۹
[۴] ؍؍ ؍؍ ؍؍ الثالث ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۸۲

قال لووزن عقل ابی حنیفة بعقل
نصف اهل الارض لرجح بهم[1]،
وقال[10] الشافعی رضی الله تعالیٰ عنه
ماقامت النساء عن رجل اعقل
من ابی حنیفة[2]، وقال
بکربن جیش لوجمع عقله
وعقل اهل زمنه لرجح
عقله علی عقولهم[3]، الکل من
الخیرات الحسان ، وعن[12]
محمد بن رافع عن یحییٰ
بن اٰدم قال ماکان شریك
وداؤد الا اصغر غلمان
ابی حنیفة ولیتهم کانوا
یفقهون مایقول[4]، وعن[13] سهل
بن مزاحم وکان من ائمة مرو
انما خالفه من خالفه لانه
لم یفهم قوله[5]، هٰذان عن
مناقب الامام الکردری ، وفی[14]
میزان الشریعة الکبریٰ لسیدی العارف

فرمایا: اگر نصف اہل زمین کی عقلوں کے مقابلہ میں
امام ابوحنیفہ کی عقل تولی جائے تو یہ ان سب پر
بھاری پڑ جائے۔ (۱۰) امام شافعی رضی اللہ
تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ابوحنیفہ سے زیادہ صاحبِ
عقل عورتوں کی گود میں نہ آیا یعنی جہان میں
کسی کی عقل ان کے مثل نہیں (۱۱) بکر بن جیش
نے کہا: اگر ابوحنیفہ کی عقل اور ان کے زمانے
والوں کی عقل جمع کی جائے تو ان سب کی عقلوں
کے مجموعہ پر ان کی عقل غالب آجائے ـــــــ
یہ سبھی اقوال الخیرات الحسان سے نقل ہوئے۔
(۱۲) محمد بن رافع راوی ہیں کہ یحییٰ بن آدم فرماتے
ہیں: شریک اور داؤد حضرت ابوحنیفہ کی بارگاہ
کے سب سے کم سن طفلِ مکتب ہی تو تھے، کاش
لوگ ان کے اقوال کو سمجھ پاتے۔ (۱۳) مرو کے
امام بزرگ سہل بن مزاحم فرماتے ہیں: جس نے
بھی اُن کی مخالفت کی، اس کا سبب یہی ہے
کہ ان کے اقوال کو سمجھ نہ سکا۔ یہ دونوں قول
مناقب امام کردری سے منقول ہیں (۱۴) سیدی
عارف باللہ امام شعرانی کی میزان الشریعۃ الکبریٰ

---

[1] الخیرات الحسان الفصل العشرون ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۰۲
[2] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۱۰۳
[3] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃
[4] مناقب الامام الاعظم للکردری مقولہ الامام جعفر الصادق الخ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ۱/۹۸
[5] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۱/۱۰۸

الامام الشعرانی انی سمعت سیدی[ف۱] علیا الخواص رضی اللہ تعالٰی عنہ یقول مدارک الامام ابی حنیفۃ دقیقۃ لایکاد یطلع علیھا الا اھل الکشف من اکابر الاولیاء اھ۔[۱]

میں ہے، میں نے سیدی علی خواص کو فرماتے سنا کہ امام ابوحنیفہ کے مدارک اتنے دقیق ہیں کہ اکابر اولیا میں سے اہل کشف کے سوا کسی کو ان کی اطلاع نہیں ہوپاتی اھ۔

قولہ شحنوا کتبھم بنصب الادلۃ۔[۲]

علامہ شامی: حضرات مشایخ نے دلائل قائم کرکے اپنی کتابیں بھر دی ہیں۔

اقول درایۃ[ف۲] لاروایۃ واین الدرایۃ من الدرایۃ۔

اقول ساری دلیلیں درایۃً قائم کی ہیں روایۃً نہیں، اب ان کی درایت کو امام کی درایت سے کیا نسبت؟

قولہ ثم یقولون الفتوی علی قول ابی یوسف مثلا۔[۳]

علامہ شامی: اس کے بعد بھی یہ لکھتے ہیں کہ فتوی مثلاً امام ابو یوسف کے قول پر ہے۔

اقول لانھم[ف۳] لم یظھر لھم ما ظھر للامام وھم اھل النظر فلم یسعھم الا اتباع ما عن لھم وذلک قول الامام لایحل لاحد ان یفتی الخ

اقول یہ اس لئے کہ ان پر وہ دلیل ظاہر نہ ہوئی جو امام پر ظاہر تھی۔ اور یہ حضرات اہل نظر ہیں اس لئے انھیں اسی دلیل کی پیروی کرنی تھی جو ان پر ظاہر ہوئی۔ کیونکہ خود امام کا ارشاد ہے

ف۱: امام شعرانی شافعی اپنے پیرومرشد حضرت سیدی علی خواص شافعی سے راوی کہ امام ابوحنیفہ کے مدارک اتنے دقیق ہیں کہ اکابر اولیا کے کشف کے سوا کسی کے علم کی وہاں تک رسائی معلوم نہیں ہوتی۔

ف۲: معروضۃ علی العلامۃ ش

ف۳: معروضۃ علیہ

---

۱ میزان الشریعۃ الکبرٰی فصل فیما نقل عن الامام احمد من ذمۃ الرای الخ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۶۷

۲ شرح عقود رسم المفتی رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۲۹

۳ " " " " " " " " " " "

ولو ظهر لهم ما ظهر له لاتوا الیه مذعنین۔

کہ ہمارے ماخذ کی دریافت کے بغیر کسی کو ہمارے قول پر افتاء روا نہیں۔ اگر ان مشایخ پر بھی وہ دلیل ظاہر ہوتی جو امام پر ظاہر ہُوئی تو بلاشبہ یہ تابعدار ہو کر حاضر ہوتے۔

قوله فعلینا حکایة ما یقولونه[1]۔

علامہ شامی: تو ہمارے ذمّے یہی ہے کہ حضرات مشایخ کے اقوال نقل کر دیں۔

اقول ھذا[ف1] علی من ترك تقلیده الی تقلیدهم اما من قلده فعلیه حکایة ما قاله و الاخذ به۔

اقول یہ اس کے ذمّے ہوگا جس نے امام کی تقلید چھوڑ کر مشایخ کی تقلید اختیار کر لی ہو۔ مقلّدِ امام کے ذمّے تو وہی نقل کرنا اور اسی کو لینا ہے جو امام نے فرمایا۔

قوله لانهم هم اتباع المذهب[2]۔

علامہ شامی: اس لئے کہ یہی حضرات مذہب کے متبع ہیں۔

اقول فالمتبوع[ف2] احق بالاتباع من الاتباع۔

اقول ایسا ہے تو متبوع، تابع سے زیادہ مستحقِ اتّباع ہے۔

قوله نصبوا انفسهم لتقریره[3]۔

علامہ شامی: ان حضرات نے مذہب کے اثبات و تقریر کی ذمہ داری اٹھا رکھی ہے۔

اقول علی[ف3] الرأس والعین و انما الکلام فی تغییره۔

اقول بسر و چشم! یہاں تو کلام تغییرِ مذہب سے متعلق ہے۔

ف۱: معروضة علیه

ف۲: معروضة علیه

ف۳: معروضة علیه

---

[1] شرح عقود رسم المفتی رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۲۹

[2] ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″

[3] ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″

قوله عن العلامة قاسم كما لو افتوا فی حیاتهم[1]۔

علامہ شامی: بقولِ علامہ قاسم جیسے ان حضرات کے اپنی حیات میں فتوٰی دینے کی صورت میں ہوتا۔

اقول اولا (ف۱) رحمك الله ارأيت ان كان الامام حيا فی الدنيا وهؤلاء احياء وافتی وافتوا ايا كنت تقلد۔

اقول: اولا خدا آپ پر رحم فرمائے، بتائیے اگر امام دنیا میں باحیات ہوتے اور یہ حضرات بھی باحیات ہوتے۔ پھر امام بھی فتوٰی دیتے اور یہ بھی فتوٰی دیتے تو آپ کس کی تقلید کرتے؟

وثانيا (ف۲) انما كلام العلامة فيما فيه الرجوع الی فتوی المشائخ حيث لا رواية عن الامام او اختلف الرواية عنه او وجد شیئ من الحوامل الست المذكورة فی الخامسة فانه عين تقليد الامام۔

ثانیا علامہ قاسم کا کلام صرف ان مسائل سے متعلق ہے جن میں فتوائے مشائخ کی جانب ہی رجوع کرنا ہے اس لئے کہ ان مسائل میں امام سے کوئی روایت ہی نہیں ــــ یا امام سے روایت مختلف آئی ہے ــــ یا ان چھ اسباب میں سے کوئی سبب موجود ہے جن کا ذکر مقدمہ پنجم میں گزرا کہ یہ تو خود امام ہی کی تقلید ہے۔

وانا (ف۳) ات عليه ببينة عادلة منكم ومن نفس العلامة قاسم فهو اعلم بمراده قلتم فی شرح (ف۴) عقودكم: قال العلامة المحقق الشيخ قاسم فی تصحيحه ان المجتهدين لم يفقدوا حتی

میں اس پر آپ ہی کی اور خود علامہ قاسم کی شہادت عادلہ پیش کرتا ہوں انھیں اپنی مراد کا زیادہ علم ہے ــــ شرح عقود میں آپ رقم طراز ہیں: علامہ محقق شیخ قاسم نے اپنی تصحیح میں لکھا ہے: مجتہدین ہمیشہ ہوتے رہے یہاں تک کہ انھوں نے

ف۱: معروضة عليه

ف۲: معروضة عليه

ف۳: معروضة عليه

ف۴: معنی كلام العلامة قاسم علينا اتباع ما رجحوه۔

---

[1] شرح عقود رسم المفتی رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۲۹

نظروا في المختلف ورجحوا وصححوا فشهدت مصنفاتهم بترجيح قول ابي حنيفة والاخذ بقوله الا في مسائل يسيرة اختاروا الفتوى فيها على قولهما او قول احدهما وان كان الاٰخر مع الامام كما اختاروا قول احدهما فيما لا نص فيه للامام للمعاني التي اشار اليها القاضي بل اختاروا قول زفر في مقابلة قول الكل لنحو ذلك وترجيحاتهم وتصحيحاتهم باقية فعلينا اتباع الراجح والعمل به كما لو افتوا في حياتهم[1] اھ۔

مقامِ اختلاف میں نظر کرکے ترجیح وتصحیح کا کام سرانجام دیا۔ ان کی تصنیفات شاہد ہیں کہ ترجیح امام ابوحنیفہ ہی کے قول کو حاصل ہے اور ان ہی کا قول ہر جگہ لیا گیا ہے مگر صرف چند مسائل ہیں جن میں ان حضرات نے صاحبین کے قول پر، یا صاحبین میں سے کسی ایک کے قول پر ـــ اگرچہ دوسرے صاحب امام کے ساتھ ہوں ـــ فتوٰی اختیار کیا ہے۔ جیسے انھوں نے صاحبین میں سے کسی ایک کا قول اس مسئلے میں اختیار کیا ہے جس میں امام سے کوئی صراحت وارد نہیں۔ اس اختیار کے اسباب وہی ہیں جن کی جانب قاضی نے اشارہ کیا، بلکہ کسی ایسی ہی وجہ کے تحت انھوں نے سب کے قول کے مقابلہ میں امام زفر کا قول اختیار کیا ہے۔ ان حضرات کی ترجیحیں اور تصحیحیں آج بھی باقی ہیں تو ہمارے ذمے یہی ہے کہ راجح کی پیروی کریں اور اسی پر کاربند ہوں جیسے ان حضرات کے اپنی حیات میں ہمیں فتوے دینے کی صورت میں ہوتا اھ۔

وكلام الامام القاضي سيأتي عند سرد النقول بتوفيق الله تعالٰى صرح فيه ان العمل بقوله رضي الله تعالٰى عنه وان خالفاه الا لتعامل بخلافه او تغير الحكم بتغير الزمان

امام قاضی کا کلام جلد ہی بیان نقول کے سلسلے میں بتوفیقہٖ تعالٰی آرہا ہے۔ اس میں یہ تصریح ہے کہ عمل قولِ امام رضی اللہ تعالٰی عنہ پر ہوگا اگرچہ صاحبین ان کے خلاف ہوں ـــ مگر اس صورت میں جب کہ تعامل اس کے برخلاف ہو ـــ یا تغیرِ زمان کی وجہ سے حکم بدل گیا ہو ـــ

---

[1] شرح عقود رسم المفتی رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۲۷

فتبین وللہ الحمد ان قول العلامۃ قاسم علینا اتباع ما رجحوہ انما ھو فیما لانص فیہ للامام ویلحق بہ ما اختلفت فیہ الروایۃ عنہ اوفی احدی الحوامل الست فاحفظہ حفظا جیدا ففیہ ارتفاع الحجب عن اٰخرھا وللہ الحمد حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیہ ابدا۔

وھذہ عبارۃ العلامۃ قاسم التی اوردھا السید ھھنا ملتقطا من اولھا واٰخرھا لوتأملھا تماما لماکان لیخفی علیہ الامر وکثیرا ما تحدث امثال الامور لاجل الاقتصار وباللہ العصمۃ۔

وثالثا علیٰ فرض الغلط لو اراد العلامۃ قاسم ماتریدون ولکان محجوجا بقول شیخہ المحقق حیث اطلق الذی نقلتموہ وقبلتموہ من ردہ مرار اعلی

تو بحمدہ تعالٰی یہ روشن ہوگیا کہ علامہ قاسم کا ارشاد (ہمارے ذمہ اسی کی پیروی ہے جسے ان حضرات نے راجح قرار دے دیا) صرف اس صورت سے متعلق ہے جس میں امام سے کوئی صراحت وارد نہ ہو ــــ اور اسی سے ملحق وہ صورت بھی ہے جس میں امام سے روایت مختلف آئی ہو ــــ یا ان چھ اسباب میں سے کوئی ایک موجود ہو ــــ اسے خوب اچھی طرح ذہن نشین کرلینا چاہئے اس لئے کہ اس سے سارے پردے بالکل اٹھ جاتے ہیں ۔ اور خدا ہی کے لئے حمد ہے کثیر، پاکیزہ ، بابرکت ، دائمی حمد۔

علامہ قاسم کی عبارت جو علامہ شامی نے اس مقام پر اول آخر سے التقاط کرکے نقل کی ہے اگر ان کی کامل عبارت پر غور کرلیتے تو حقیقت امر ان پر پوشیدہ نہ رہ جاتی ــــ بارہا اس طرح کا خلل محض اقتصار کی وجہ سے پیدا ہوجاتا ہے، وباللہ العصمۃ ــــ اور محفوظ رکھنا خدا ہی سے ہے۔

ثالثاً بفرض غلط اگر علامہ قاسم کا مقصود وہی ہوتا جو آپ مراد لے رہے ہیں تو یہ ان کے استاذ محقق علی الاطلاق کے اس ارشاد کے مقابلہ میں مرجوح ہوتا جسے آپ نے بھی نقل کیا اور قبول کیا کہ انھوں نے قول صاحبین پر افتا کے

ف: معروضۃ علی العلامۃ ش۔

المشائخ افتاءهم بقولهما قائلا انه لایعدل عن قوله الا لضعف دلیله۔

قوله عن العلامة ابن الشلبی الا اذا صرح احد من المشائخ بان الفتوی علی قول غیره[1]۔ [ف۱]

اقول اولا سائرهم موافقون لهذا المفتی او مخالفون له او ساکتون فلم یرجحوا شیئا حتی فی التعلیل والجدل ولا یوضعه متنا او الاقتصار او التقدیم او غیر ذلک من وجوه الاختیار۔

الثالث لم یقع والثانی ظاهر المنع وکیف یعدل عن قول الامام المرجح من عامة اصحاب الترجیح بفتوی رجل واحد قال فی الدر فی تنجس البئر قالا من وقت العلم فلا یلزمهم

باعث بار ہا مشایخ کا رد کیا ہے اور فرمایا ہے کہ : قولِ امام سے عدول نہ ہوگا سوا اس صورت کے کہ اس کی دلیل کمزور ہو۔

علامہ شامی : علامہ ابن شلبی سے نقل کرتے ہوئے : مگر اس صورت میں جب کہ مشائخ میں سے کسی نے یہ صراحت کر دی ہو کہ فتوٰی امام کے سوا کسی اور کے قول پر ہے۔

اقول ، اولاً (۱) دیگر مشائخ اس مفتی کے موافق ہیں (۲) یا اس کے مخالف ہیں۔ (۳) یا ساکت ہیں کہ انھوں نے کسی قول کو ترجیح نہ دی ___ یہاں تک کہ کسی قول کی نہ علت پیش کی ، نہ اس پر بحث کی ، نہ اسے اپنی تصنیف میں متن بنایا ، نہ کسی ایک پر اقتصار کیا ، نہ وجوہ اختیار و ترجیح میں سے کوئی اور صورت اپنائی ___

یہ تیسری صورت (سکوت) واقع ہی نہیں ___ اور دوسری صورت میں کلام ابن شلبی پر منع ظاہر ہے ___ (یہ وہ صورت ہے کہ ایک شخص نے قولِ امام کے بجائے قول دیگر پر فتوی دیا باقی تمام حضرات قولِ امام ہی پر فتوے دیتے ہیں اور اس مفتی کے مخالف ہیں) تمام اصحابِ ترجیح کی جانب سے ترجیح یافتہ قولِ امام سے محض ایک شخص کے

ف : معروضة علی العلامة ش۔

---

[1] شرح عقود رسم المفتی رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۲۹

ثم قبلہ قیل و بہ یفتی[1] اھ۔

فتوے کے باعث انحراف کیوں ہوگا؟ —— درمختار کے اندر کنواں ناپاک ہونے کے مسئلے میں ہے: صاحبین فرماتے ہیں جب سے علم ہوا اسی وقت سے ناپاک مانا جائے گا تو اس سے قبل لوگوں پر کچھ لازم نہ ہوگا —— کہا گیا: اسی پر فتوٰی ہے۔ اھ۔

قال ش قائلہ صاحب الجوھرۃ[عہ] وفی فتاوی العتابی قولھما ھو المختار[2] اھ۔

علامہ شامی فرماتے ہیں: اس کے قائل صاحبِ جوھرہ ہیں —— فتاوٰی عتابی میں ہے قولِ صاحبین ہی مختار ہے۔ اھ۔

قال ط وانما عبر بقیل لرد العلامۃ قاسم لہ لمخالفتہ لعامۃ الکتب فقد رجح دلیلہ فی کثیر منھا وھو الاحوط نھر[3] اھ۔

طحطاوی فرماتے ہیں: قیل (کہا گیا) سے تعبیر اس لئے فرمائی کہ علامہ قاسم نے اس کی تردید کی ہے کیونکہ یہ عامۂ کتب کے خلاف ہے بکثیر کتابوں میں دلیلِ امام کو ترجیح دی گئی ہے —— وہی احوط بھی ہے —— نہر —— اھ۔

بل قال فی الدر لاحد بشبھۃ العقد عند الامام کوطء محرم نکحھا وقالا ان علم الحرمۃ حد وعلیہ الفتوی

بلکہ درمختار میں ہے: امام کے نزدیک شبہۂ عقد کی وجہ سے حد نہیں جیسے اس محرم سے وطی کی صورت میں جس سے نکاح کرلیا ہو صاحبین فرماتے ہیں: اگر حُرمت سے آگاہ ہے

عہ اقول لم ارہ فیھا لعلہ فی سراجہ الوھاج، واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ۔

اقول میں نے جوھرہ میں اسے نہ دیکھا، شاید یہ ان کی سراج وہاج میں ہو ۱۲ منہ (ت)

---

[1] الدرالمختار — کتاب الطہارۃ — فصل فی البئر — مطبع مجتبائی دہلی — ۱/۴۰

[2] ردالمحتار — 〃 — 〃 — داراحیاء التراث العربی بیروت — ۱/۱۴۶

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار — 〃 — 〃 — المکتبۃ العربیۃ کوئٹہ — ۱/۱۱۹

خلاصة لكن المرجح فی جمیع الشروح قول الامام فکان الفتوی علیہ اولیٰ، قالہ قاسم فی تصحیحہ لکن فی القہستانی عن المضمرات علیٰ قولہما الفتوی[1] اھ قال ش

توحد ہوگی۔ اسی پر فتوٰی ہے خلاصہ۔ لیکن تمام شروح میں ترجیح یافتہ قول امام ہی ہے تو اسی پر فتوٰی اولیٰ ہے۔ یہ علامہ قاسم نے اپنی تصحیح میں لکھا ___ لیکن قہستانی میں مضمرات سے نقل ہے کہ صاحبین ہی کے قول پر فتوٰی ہے اھ۔

قال ش الاستدراك علی قولہ فی جمیع الشروح فان المضمرات من الشروح وفیہ ان ما فی عامۃ الشروح مقدم[2] اھ

علامہ شامی فرماتے ہیں: ان کے لفظ "تمام شروح" پر یہ استدراک ہے اس لئے کہ مضمرات بھی شروح میں سے ہے۔ اس پر کلام یہ ہے کہ جو عامۂ شروح میں ہے مقدم وہی ہوگا۔ اھ۔

فہٰہنا جعلت الفتاوی علی قولہما الفتوی ووافقہا بعض الشروح المعتمدۃ ولم یقبل لان عامۃ الشروح رجحت دلیلہ۔

یہاں کتب فتاوٰی نے فتوٰی قولِ صاحبین پر رکھا، بعض معتمد شروح نے بھی ان کی موافقت کی مگر اسے قبول نہ کیا گیا اس لئے کہ عامۂ شروح نے دلیل امام کو ترجیح دی۔

بقی الاول وھو مسلم لا شك ولا یوجد الا فی احدی الصور الست ویکون عدولا الی قولہ لاعنہ کما علمت۔

رہ گئی پہلی صورت (کہ دیگر مشائخ بھی اس مفتی کے ہم نوا ہیں جس نے بتایا کہ فتوٰی امام کے علاوہ کسی اور کے قول پر ہے) یہ بلاشبہہ مسلّم ہے۔ اور اس کا وجود ان ہی چھ صورتوں میں سے کسی ایک میں ہوگا۔ اس صورت میں خود قول امام کی جانب رجوع ہوتا ہے۔ اس سے انحراف نہیں ہوتا جیسا کہ معلوم ہوا۔

وثانیا بوجہ اخر^ف^ ارأیت ان قال

ثانیًا بطرز دیگر۔ بتائیے اگر امام نے کوئی

ف: معروضہ علیہ

---

[1] الدر المختار کتاب الحدود باب الوطء الذی یوجب الحد مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۱۹

[2] رد المحتار " " " " " " دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/۱۵۴

الامام قولا وخالفه احد صاحبيه ولا رواية عن الأخر فافتى احد من المشائخ بقول الصاحب فان وافقه الباقون فقد مر اذ خالفوه فظاهر — وكذا ان خالف بعضهم و وافق بعضهم لما مر فى السابعة۔

بات کہی اور صاحبین میں سے ایک نے ان کی مخالفت کی، دوسرے سے کوئی روایت نہ آئی۔ اب مشایخ میں سے کسی نے اُس ایک صاحب کے قول پر فتویٰ دیا، تو اگر باقی مشایخ نے بھی موافقت فرمائی تو اس کا بیان گزرا — یا دیگر حضرات نے مخالفت فرمائی تو اس کا حال ظاہر ہے — یُوں ہی اگر بعض نے مخالفت کی اور بعض نے موافقت کی، وجہ مقدمۂ سابعہ میں بیان ہوئی۔

اما ان لم يرد عن الباقين شئ وهى الصورة التى انكرنا وقوعها فهل يجب اتباع تلك الفتوى ام لا على الثانى اين قولكم علينا اتباع ما صححوه كما لو افتوا فى حياتهم فان فتوى الحياة واجبة العمل على المستفتى و ان كان المفتى واحدا لم يخالفه غيره و ليس له التوقف عن قبولها حتى يجتمعوا او يكثروا۔

لیکن اگر باقی حضرات سے کچھ وارد ہی نہ ہوا، یہی وہ صورت ہے جس کے وقوع سے ہم نے انکار کیا — تو اس وقت اس فتوے کا اتباع واجب ہے یا نہیں؟ — برتقدیرِ ثانی آپ کا وہ قول کہاں گیا کہ ہمارے ذمہ اسی کی پیروی ہے جسے مشائخ نے صحیح قرار دے دیا جیسے اس صورت میں ہوتا جب وہ ہمیں اپنی حیات میں فتویٰ دیتے؛ اس لئے کہ زندگی کا فتویٰ مستفتی پر واجب العمل ہے اگرچہ مفتی ایک ہی ہو، جس کا دوسرا کوئی مخالف نہ ہو۔ اور مستفتی کو یہ حق حاصل نہیں کہ اس فتوے کو قبول کرنے سے توقف کرے یہاں تک کہ سب فتویٰ دینے والے مجتمع ہو جائیں یا کثیر ہو جائیں تب مانے۔

وعلى الاول لم يجب العدول عن قول الامام الى قول صاحبه الا لترجح رأى صاحبه بانضمام رأى

برتقدیرِ اول (یعنی قول امام کو چھوڑ کر دیگر کو ترجیح دینے والے فتوے کی اتباع واجب ہے) — قولِ امام چھوڑ کر ان کے شاگرد کے قول کو لینا کیوں واجب ہوا؟ صرف اس لئے کہ

هذا المفتی الیہ اذ لیس هذا الافتاء قضاء یرفع الخلاف بل ولا افتاء مفت لمن اتاہ من مستفت انما حاصلہ ان الرای الفلانی ارجح عندی فاذن ترجح رای احد الصاحبین بانضمام رأی الاخر اعلی واعظم لان کلا منهما اعلم واقدم من جمیع من جاء بعدهما من المرجحین فکل ما خالف فیہ الامام صاحباہ وجب فیہ ترک قولہ الی قولهما وھو خلاف الاجماع۔

ان کے شاگرد کی رائے اس مفتی کی رائے سے مل کر راجح ہوگئی۔ کیونکہ یہ فتوٰی کوئی اختلاف ختم کرنے والا فیصلہ قاضی نہیں، بلکہ اس کی حیثیت اس افتا کی بھی نہیں جو آکر سوال کرنے والے کسی مستفتی کے لئے کسی مفتی سے صادر ہوا — اس فتوے کا حاصل صرف اس قدر ہے کہ فلاں رائے میرے نزدیک زیادہ راجح ہے۔ جب ایسا ہے تو اگر صاحبین میں سے ایک صاحب کی رائے کے ساتھ دوسرے صاحب کی رائے بھی مل جائے تو اس کا راجح ہونا (کسی بعد کے مفتی کی رائے ملنے والی صورت کی بہ نسبت) زیادہ بالاتر اور عظیم تر ہوگا — اس لئے کہ صاحبین میں سے ہر ایک اپنے بعد آنے والے تمام مرجحین سے زیادہ علم والے اور زیادہ مقدم ہیں — تو یہ کہئے کہ جہاں بھی صاحبین نے امام کی مخالفت کی ہو وہاں امام کا قول چھوڑ کر صاحبین کا قول لینا واجب ہے، یہ خلاف اجماع ہے (کوئی اس کا قائل نہیں)۔

وثالثاف علی التسلیم معکو ابن الشلبی وانظر وامن معنا اٰخر الکلام۔

ثالثاً برتقدیر تسلیم آپ کے ساتھ صرف ابن الشلبی ہیں اور آخر کلام میں دیکھئے ہمارے ساتھ کون لوگ ہیں۔

قولہ فلیس للقاضی ان یحکم بقول غیر ابی حنیفۃ فی مسألۃ لم یرجح فیها قول غیرہ ورجحوا فیها دلیل ابی حنیفۃ علی دلیلہ[1]

علامہ شامی: قاضی کو غیر امام کے قول پر کسی ایسے مسئلہ میں فیصلہ کرنے کا حق نہیں جس میں غیر امام کے قول کو ترجیح نہ دی گئی ہو اور خود امام ابوحنیفہ کی دلیل کو دوسرے کی دلیل پر ترجیح ہو۔

ف: معروضہ علیہ

---

[1] شرح عقود رسم المفتی رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۲۹

اقول ف۱ هذا تعدٍ فوق ما مر فان مفادہ ان مالم یرجح فیہ دلیل الامام فللقاضی و مثلہ المفتی العدول عنہ الی قول غیرہ وان لم یذیل ایضا بترجیح فانہ بنی الحکم بعدم العدول علی وجود وعدم وجود توجیح دلیلہ وعدم توجیح قول غیرہ فمالم یجتمعا حل العدول ولم یقل باطلاقہ الثقات العدول فانہ یشمل ما اذا رجحا اولم یرجح شیئ منھما والعمل فیھما بقول الامام لاشك مر الاول ف۲ فی السابعۃ وقال سیدی ط فی زکاۃ الغنم مسألۃ صرف الھالك الی العفو من المعلوم انہ عند عدم التصحیح لایعدل عن قول صاحب المذھب[۱] اھ۔

اقول پہلے جو گزر چکا یہاں اس سے بھی آگے تجاوز کیا۔کیوں کہ اس کا مفاد یہ ہے کہ جہاں دلیل امام کو ترجیح نہ دی گئی وہاں قاضی اور اسی طرح مفتی کو قولِ امام سے دوسرے کی قول کی طرف عدول جائز ہے اگرچہ اُس دوسرے پر بھی ترجیح کا نشان نہ ہو ــــ یہ مفاد اس طرح ہوا کہ انھوں نے عدم عدول کے حکم کی بنیاد ایک وجود اور ایک عدم پر رکھی ہے(۱) دلیل امام کی ترجیح کا وجود ہو (۲) اور قول غیر کی ترجیح کا عدم ہو ــــ تو جب تک دونوں جزیں جمع نہ ہوں عدول جائز ہوگا ــــ حالانکہ ثقاتِ عدول (معتمد و مستند حضرات) اس اطلاق کے قائل نہیں۔کیوں کہ یہ ان دو صورتوں کو بھی شامل ہے:(۱) قولِ امام اور قولِ غیر دونوں کو ترجیح ملی ہو (۲) دونوں میں سے کسی کو ترجیح نہ دی گئی ہو ــــ بلاشبہہ ان دونوں صورتوں میں قولِ امام پر ہی عمل ہوگا۔اول کا بیان مقدمۂ ہفتم میں گزرا۔دوم سے متعلق ملاحظہ ہو۔سیدی طحطاوی باب زکاۃ الغنم میں مسألہ صرف الہالک الی العفو کے تحت رقم طراز ہیں: معلوم ہے کہ عدم تصحیح کی صورت میں صاحبِ مذہب کے قول سے عدول نہ ہوگا اھ۔

ف۱: معروضۃ علیہ وعلی العلامۃ ابن الشلبی۔

ف۲: فائدہ: حیث لاتصحیح لایعدل عن قول الامام۔

---

[۱] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الزکوۃ باب زکوۃ الغنم المکتبۃ العربیۃ کوئٹہ ۱/ ۴۰۲

قوله فی المنحة اصحاب المتون قد یمشون علی غیر مذھب الامام[1]

علامہ شامی: منحۃ الخالق میں: متون مذہب کے مصنفین بعض اوقات مذہب امام کے سوا کوئی اور اختیار کرتے ہیں۔

اقول نعم[ف۱] فی احدی الوجوہ الستة وھو عین قول الامام اما فی[ف۲] غیرھا فان مشی بعضھم لم یقبل کما سیأتی فی مسألة الشفق ومثلھا تفسیر المصر کما یعلم من الغنیة شرح المنیة وقد فصلناہ فی فتاوٰنا بما لامزید علیہ، اما ان یمشوا قاطبة علی خلاف قولہ من دون الحوامل الست فحاشا، ومن ادعی فلیبرز مثالا ولو واحدا۔

اقول ہاں چھ صورتوں میں سے کسی ایک میں ایسا کرتے ہیں ـــ یہ بعینہٖ قولِ امام ہوتا ہے ـــ ان کے علاوہ صورتوں میں اگر کوئی مصنف کسی دوسرے مذہب پر چلے تو قبول نہ کیا جائے گا ـــ جیسا کہ مسألۂ شفق میں اس کا بیان آرہا ہے۔ اسی طرح تفسیرِ "مصر" کا مسئلہ ہے۔ جیسا کہ غنیہ شرح منیہ سے معلوم ہوتا ہے۔ اور ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی اتنی تفصیل کی ہے جس پر اضافے کی گنجائش نہیں ـــ اب رہی یہ صورت کہ اُن چھ اسباب کے بغیر تمام اصحابِ متون قولِ امام کی مخالفت پر گام زن ہوں تو ایسا نہیں ہوسکتا ـــ اگر کوئی دعوٰی رکھتا ہے تو اس کی کوئی ایک ہی مثال پیش کرے۔

قوله واذا افتی المشائخ بخلاف قولہ لفقد الدلیل فی حقھم فنحن نتبعھم اذ ھم اعلم[2]

علامہ شامی: جب مشائخ مذہب نے اس دلیل کے فقدان کی وجہ سے جوان کے حق میں شرط ہے، قول امام کے خلاف فتوٰی دے دیا تو ہم ان ہی کا اتباع کریں گے اس لئے کہ انھیں زیادہ علم ہے۔

ف۱: معروضة علی العلامة ش۔

ف۲: فائدہ مشی متون علی خلاف قول الامام لا یقبل۔

---

[1] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب القضاء فصل یجوز تقلید من شاء الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۲۶۹

[2] " " " " " " " " " "

11

اقول اولاً ھو اعلم منھم ومن اعلم من اعلم من اعلم منھم فای الفریقین احق بالاتباع۔[ف۱]

اقول اولاً امام کو ان سے بھی زیادہ علم ہے۔ اور ان سے اَعلم سے اَعلم سے اَعلم سے بھی زیادہ۔ تو زیادہ قابل اعتماد کون ہے؟

وثانیاً انظر الثانیۃ[ف۲] الدلیل فی حقھم التفصیلی وقد فقدوہ وفی حقنا الاجمالی وقد وجدناہ فکیف نتبعھم ونعدل من الدلیل الی فقدہ۔

ثانیاً مقدمہ دوم ملاحظہ ہو۔ ان کے حق میں دلیل تفصیلی ہے جو انھیں نہ ملی۔ اور ہمارے حق میں اجمالی ہے جو ہمارے پاس موجود ہے تو کیسے ہم ان کی پیروی کریں اور دلیل چھوڑ کر فقدانِ دلیل کی طرف جائیں؟

قولہ کیف یقال یجب علینا الافتاء بقول الامام لفقد الشرط وقد اقر انہ قد فقد الشرط ایضا فی حق المشائخ۔[۱]

علامہ شامی: یہ بات کیسے کہی جاتی ہے کہ ہمارے اوپر قول امام پر ہی فتوٰی دینا واجب ہے اس لئے کہ ہمارے حق میں (قول امام پر افتاء کی) شرط مفقود ہے۔ حالاں کہ یہ بھی اقرار ہے کہ وہ شرط مشائخ کے حق میں بھی مفقود ہے۔

اقول شبھۃ[ف۳] کشفناھا فی الثالثۃ۔

اقول یہ محض ایک شبہہ ہے جسے ہم مقدمہ سوم میں منکشف کر آئے ہیں۔

قولہ فھل تراھم ارتکبوا منکرا[۲]

علامہ شامی: تو کیا یہ خیال ہے کہ ان حضرات نے کسی ناروا امر کا ارتکاب کیا؟

اقول[ف۴] مبنی علی الذھول عن فرق الموجب فی حقنا وحقھم

اقول واجب کرنے والی چیز ہمارے حق میں اور ہے ان کے حق میں اور، اعتراض مذکور اسی

ف۱: معروضہ علیہ
ف۲: معروضہ علیہ
ف۳: معروضہ علیہ
ف۴: معروضہ علیہ

[۱] و [۲] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب القضاء فصل یجوز تقلید من شاء الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/۲۶۹

وان شئت الجمع مكان الفرق فالجامع ان کل من فارق الدلیل فقد اتی منکرا فدلیلنا قول امامنا وخلافنا له منکر ودلیلھم ما عن لھم فی المسألۃ فمصیرھم الیہ لاینکر۔

فرق سے ذہول پر مبنی ہے۔ اگر مقامِ فرق کو جمع کرنا چاہیں تو جامع یہ ہے کہ جو بھی دلیل سے الگ ہُوا وہ منکر و ناروا کا مرتکب ہوا۔ اب ہماری دلیل ہمارے امام کا قول ہے اور ہمارے لئے اس کی مخالفت ناروا ہے۔ اور اُن حضرات کی دلیل وُہ ہے جو کسی مسائلہ میں ان پر منکشف ہو تو اس دلیل کی طرف ان کا رجوع ناروا نہیں۔

قولہ وقد مشی علیہ الشیخ علاء الدین[1]۔

علامہ شامی: اسی پر شیخ علاء الدین گام زن ہیں۔

اقول انما مشی فی صدر الکتاب وفی کتاب القضاء معا علی ان الفتوی علی قول الامام مطلقا کما سیأتی و قولہ اما نحن فعلینا اتباع ما رجحوہ فماخوذ من التصحیح کما افادتموہ فی رد المحتار[2] و قد کان صدر کلام الدر ھذا وحاصل ما ذکرہ الشیخ قاسم فی تصحیحہ[3] الخ وقد علمت ما ھو مراد التصحیح الصحیح والحمد ﷲ علی حسن التنقیح۔

اقول دُرِّ مختار کے شروع میں اور کتاب القضاء میں دونوں جگہ وہ اسی پر گام زن ہیں کہ فتوٰے مطلقاً قولِ امام پر ہے۔ جیساکہ آگے اُن کا کلام آرہا ہے ــــ رہی ان کی یہ عبارت: "اما نحن فعلینا اتباع ما رجحوہ ــــ ہمیں تو اسی کی پیروی کرنی ہے جسے ان حضرات نے راجح قرار دیا" ــــ تو یہ تصحیح علامہ قاسم سے ماخوذ ہے جیساکہ ردالمحتار میں آپ نے افادہ فرمایا ــــ خود دُرِّ مختار ابتدائے کلام اس طرح ہے: اور اس کا حاصل جو شیخ قاسم نے اپنی تصحیح میں بیان کیا الخ ــــ عبارتِ تصحیح کا صحیح مطلب کیا ہے یہ پہلے معلوم ہوچکا۔ اس خوبی تنقیح پر ساری حمد خدا ہی کے لئے ہے۔

ف: معروضہ علیہ

[1] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب القضاء فصل یجوز تقلید من شاء الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۲۶۹
[2] رد المحتار خطبۃ الکتاب دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۳
[3] الدر المختار " مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۵

اتینا علی ماوعدنا من سرد النقول علی ماقصدنا۔

اب ہم اپنے مقصود وموعود، ذکرِ نقول ونصوص پر آتے ہیں۔

اقول وباللّٰہ التوفیق، ماھوالمقرر عندنا قد ظھر من مباحثنا وتفصیلہ ان المسألۃ اما ان یحدث فیھا شیئ من الحوامل الست اولا۔

اقول وباللّٰہ التوفیق، ہمارے نزدیک جو مقرر اور طے شدہ ہے وہ ہماری بحثوں سے ظاہر ہوگیا ـــــ اس کی تفصیل یہ ہے کہ مسئلہ میں اُن چھ اسباب تغیر سے کوئی رونما ہے یا نہیں ـــــ

علی الاول الحکم للحامل وھو قول الامام الضروری المعتمد علی الاطلاق سواء کان قولہ الصوری بل وقول اصحابہ وترجیحات المرجحین موافقالہ اولا علما منا ان لوحدث ھذا فی زمانھم لحکموا بہ فقول الامام الضروری شیئ لانظر معہ الی روایۃ ولا ترجیح بل ھو القول الضروری للمرجحین ایضا ولا یتقید ذلک بزمان دون زمان قال فی شرح العقود فان قلت العرف یتغیر مرۃ بعد مرۃ فلوحدث عرف اٰخر لم یقع فی الزمان السابق فھل یسوغ للمفتی مخالفۃ المنصوص

اور **برتقدیرِ اول** حکم اس سبب کے تحت ہوگا۔ اور یہ امام کا قول ضروری ہوگا جس پر مطلقاً اعتماد ہے ـــ خواہ ان کا قول صوری ـــــ بلکہ ان کے اصحاب کا قول اور مرجحین کی ترجیحات بھی ـــــ اس کے موافق ہوں یا نہ ہوں ـــــ کیونکہ ہمیں یہ معلوم ہے اگر یہ سبب ان حضرات کے زمانے میں رُونما ہوتا تو وہ بھی اسی پر حکم دیتے ـــ امام کا قول ضروری ایسا امر ہے جس کے ہوتے ہوئے نہ روایت پر نظر ہوگی نہ ترجیح پر ـــــ بلکہ وہی مرجحین کا بھی قول ضروری ہے اس میں کسی زمانے کی پابندی بھی نہیں (کہ فلاں زمانے میں سبب رونما ہو تو قول ضروری ہوگا اور فلاں زمانے میں نہ ہوگا) علامہ شامی کی شرح عقود میں ہے، اگر یہ سوال ہو کہ عرف بار بار بدلتا رہتا ہے۔ اگر کوئی ایسا عرف پیدا ہو جو زمانۂ سابق میں نہ تھا تو کیا مفتی کے لئے یہ روا ہے کہ منصوص کی مخالفت کرے

ف: حدث وحکم ضروری لاحدی الحوامل الست لایتقید بزمان۔

واتباع المعروف الحادث قلت نعم فان المتأخرین الذین خالفوا المنصوص فی المسائل المارة لم یخالفوه الا لحدوث عرف بعد زمن الامام فللمفتی اتباع عرفه الحادث فی الالفاظ العرفیة وکذا فی الاحکام التی بناها المجتهد علی ماکان فی عرف زمانه و تغیر عرفه الی عرف اٰخر اقتداءً بهم لکن بعد ان یکون المفتی ممن له رأی و نظر صحیح و معرفة بقواعد الشرع حتی یمیز بین العرف الذی یجوز بناء الاحکام علیه و بین غیره۱؎

قال وکتبت فی رد المحتار فی باب القسامة فیما لو ادعی الولی علی رجل من غیر اهل المحلة و شهد اثنان منهم علیه لم تقبل عنده وقالا تقبل الخ، نقل السید الحموی عن العلامة المقدسی انه قال توقفت عن الفتوی بقول الامام و منعت من اشاعته لما یترتب علیه من الضرر العام فان من عرفه من المتمردین یتجاسر علی قتل

اور عرف جدید کا اتباع کرے ؛ — میں جواب دوں گا کہ ہاں — اس لئے کہ گزشتہ مسائل میں جن متاخرین نے منصوص کی مخالفت کی ہے ان کی مخالفت کی وجہ یہی ہے کہ زمانۂ امام کے بعد کوئی اور عرف رُونما ہوگیا — تو ان کی اقتدار میں مفتی کا بھی یہ حق ہے کہ عرفی الفاظ میں اپنے عرف جدید کا اتباع کرے اسی طرح ان احکام میں بھی جن کی بنیاد مجتہد نے اپنے زمانے کے عرف پر رکھی تھی اور وہ عرف کسی اور عرف سے بدل گیا — لیکن یہ حق اس وقت ملے گا جب مفتی صحیح رائے و نظر اور قواعد شرعیہ کی معرفت کا حامل ہو تا کہ یہ تمیز کرسکے کہ کس عرف پر احکام کی بنیاد ہوسکتی ہے اور کس پر نہیں ہوسکتی۔

فرماتے ہیں : میں نے ردالمحتار باب القسامۃ میں — اس مسئلے کے تحت کہ اگر غیر اہلِ محلہ کے کسی شخص پر قتل کا دعوٰی ہوا اور اہلِ محلہ میں سے دو مردوں نے اس پر گواہی دی تو حضرت امام کے نزدیک یہ گواہی قبول نہ کی جائے گی ' اور صاحبین فرماتے ہیں کہ قبول کی جائے گی الخ — یہ لکھا ہے کہ سید حموی ' علامہ مقدسی سے نقل فرماتے ہیں کہ ان کا بیان ہے کہ میں نے قولِ امام پر فتوٰی دینے سے توقف کیا اور اس قول کی اشاعت سے منع کیا ، کیوں کہ اس سے عام نقصان و ضرر پیدا ہوتا ، اس لئے کہ جو سرکش اسے جان لے گا وہ ان محلوں میں جو

۱؎ شرح عقود رسم المفتی رسالہ من مجموعہ رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۴۵

النفس في المحلات الخالية من غير اهلها معتمدا على عدم قبول شهادتهم عليه حتى قلت ينبغي الفتوى على قولهما لاسيما والاحكام تختلف باختلاف الايام انتهى۔[1]

غیر اہلِ محلہ سے خالی ہوں جان مارنے میں جری اور بے باک ہو جائے گا اس اعتماد پر کہ اس کے خلاف خود اہلِ محلہ کی شہادت قبول نہ ہو گی یہاں تک کہ میں نے یہ کہا کہ فتویٰ قولِ صاحبین پر ہونا چاہیے خصوصاً جب کہ احکام زمانے کے بدلنے سے بدل جاتے ہیں۔ انتہی۔

وقالوا اذا زرع صاحب الارض ارضه ماهو ادنى مع قدرته على الاعلى وجب عليه خراج الاعلى، قالوا وهذا يعلم ولا يفتى به كيلا يتجرأ الظلمة على اخذ اموال الناس، قال في العناية ورد بانه كيف يجوز الكتمان ولو اخذوا كان في موضعه لكونه واجبا، واجيب بانا لو افتينا بذلك لادعى كل ظالم في ارض ليس شأنها ذلك انها قبل هذا كانت تزرع الزعفران مثلا فياخذ خراج ذلك وهو ظلم وعدوان[2] انتهى۔

ائمہ نے فرمایا، جب زمین والا اپنی زمین کے اندر اعلیٰ چیز کی کاشت پر قدرت رکھنے کے باوجود ادنیٰ چیز کی کاشت کرے تو اس کے اوپر اعلیٰ کا خراج واجب ہو گا ___ علمائے نے فرمایا: یہ حکم جاننے کا ہے، فتویٰ دینے کا نہیں، تاکہ ظالم حکام لوگوں کا مال لینے کی جرأت نہ کریں۔ عنایہ میں ہے اس قول پر یہ رد کیا گیا ہے کہ علم کا چھپانا کیونکر جائز ہو گا جب کہ وہ اگر لے ہی لیں تو بجا ہو گا کیوں کہ یہی واجب ہے ___ اس کے جواب میں یہ کہا گیا کہ اگر ہم اس پر فتویٰ دے دیں تو ہر ظالم ایسی زمین میں جو اعلیٰ کے قابل نہ ہو یہ دعویٰ کرتے ہوئے کہ پہلے تو اس میں زعفران وغیرہ کی کاشت ہوتی تھی، زعفران کا خراج وصول کر لے گا اور یہ ظلم و عدوان ہو گا۔ انتہی۔

وكذا في فتح القدير قالوا لا يفتى بهذا لما فيه من تسلط الظلمة على اموال المسلمين اذ يدعى كل ظالم ان الارض تصلح لزراعة الزعفران ونحوه

اسی طرح فتح القدیر میں ہے کہ اس پر فتویٰ نہیں دیا جاتا کیونکہ اس کے تحت مسلمانوں کے مال پر ظالموں کی چیرہ دستی ہو گی اس لئے کہ ہر ظالم دعویٰ کرے گا کہ یہ زمین زعفران وغیرہ بوئے جانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اور اس ظلم کا

---

[1] و [2] شرح عقود رسم المفتی رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۴۶ و ۴۷

وعلاجه صعب انتهى فقد ظهر لك ان جمود المفتى او القاضى على ظاهر المنقول مع ترك العرف والقرائن الواضحة و الجهل باحوال الناس يلزم منه تضييع حقوق كثيرة و ظلم خلق كثيرين [1] اھ۔

علاج دشوار ہے۔ انتہی۔

اس تفصیل سے واضح ہوگیا کہ اگر مفتی یا قاضی عرف اور قرائن واضحہ چھوڑ کر اور لوگوں کے حالات سے بے خبر ہو کر نقل شدہ حکم کے ظاہر پر جمود اختیار کرلے تو اس سے بہت سے حقوق کی بربادی اور بے شمار مخلوق پر ظلم و زیادتی لازم آئے گی اھ۔

اقول ومن ذلك افتاء السيد بنقل انقاض مسجد خرب ما حوله واستغنى عنه الى مسجد أخر۔

اقول اسی میں سے یہ بھی ہے کہ علامہ شامی نے فتوٰی دیا کہ ایسی مسجد جس کے ارد گرد آبادی نہ رہی اور اس کے سامان بے کار ہو گئے جن کی اب ضرورت نہ رہی تو وہ دوسری مسجد میں دیے جا سکتے ہیں۔

قال فی رد المحتار وقد وقعت حادثة سئلت عنها فی امیر اراد ان ینقل بعض احجار مسجد خراب فی سفح قاسیون بدمشق لیبلط بها صحن الجامع الاموی فافتیت بعدم الجواز متابعة للشرنبلالی ثم بلغنی ان بعض المتغلبین اخذ تلك الاحجار لنفسه

رد المحتار میں فرماتے ہیں: ایک نیا مسئلہ درپیش آیا جس سے متعلق مجھ سے یہ استفتا ہوا کہ دمشق کے اندر جبل قاسیون کے دامن میں ایک ویران مسجد ہے جس کے کچھ پتھروں کو امیر جامع اموی کے صحن میں فرش بنانے کی خاطر لے جانا چاہتا ہے۔ میں نے علامہ شرنبلالی کی متابعت میں فتوٰی دیا کہ ناجائز ہے ـــ کچھ دنوں بعد مجھے معلوم ہوا کہ ایک چیرہ دست ظالم ان پتھروں کو اپنے لئے

ف: **مسئلہ** جو مسجد ویران ہو اور اس کی آبادی کی کوئی صورت نہ ہو اور اس کے آلات کی حفاظت نہ ہو سکے تو اب فتوٰی اس پر ہے کہ اس کے کڑی تختے وغیرہ دوسری مسجد میں دیے جا سکتے ہیں۔

---

[1] شرح عقود رسم المفتی رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۴۷

فندمت علی ما افتیت بہ اھ[1]۔

اٹھالے گیا۔ یہ سن کر اپنے فتوے پر ندامت ہوئی اھ۔

ف

ومن ذلك افتاء جد المقدسی بجواز اخذ الحق من خلاف جنسه حذار تضییع الحقوق۔

اسی میں یہ بھی ہے کہ علامہ مقدسی کے نانا نے بربادی حقوق سے بچانے کے لئے یہ فتویٰ دیا کہ صاحبِ حق اپنا حق خلافِ جنس سے لے سکتا ہے (مثلاً کسی ظالم نے کسی کے سَو روپے دبا لئے اور ملنے کی امید نہیں تو مظلوم بجائے سو روپے کے اتنے ہی کی کوئی اور چیز جو ظالم کے مال سے ہاتھ آئے لے سکتا ہے)۔

قال فی رد المحتار قال القہستانی وفیہ ایماء الی ان له ان یاخذ من خلاف جنسه عند المجانسة فی المالیة وھذا اوسع فیجوز الاخذ به وان لم یکن مذھبنا فان الانسان یعذر فی العمل به عند الضرورة کما فی الزاھدی اھ قلت وھذا اما قالوا انه لامستند له لکن رأیت فی شرح نظم الکنز للمقدسی من کتاب الحجر قال ونقل

ردالمحتار میں ہے: قہستانی نے کہا اس میں یہ اشارہ ہے کہ وہ خلافِ جنس سے بھی لے سکتا ہے جب کہ مالیت یکساں ہو، اس حکم میں زیادہ گنجائش ہے تو ہمارے مذہب میں اگرچہ یہ حکم نہیں مگر اسے لے جا سکتا ہے اس لئے کہ انسان وقتِ ضرورت اس پر عمل کر لینے میں معذور ہے، جیسا کہ زاہدی میں ہے اھ ـــ میں کہتا ہوں اس حکم سے متعلق لوگوں نے کہا کہ اس کی کوئی سند نہیں، لیکن میں نے علامہ مقدسی کی شرح نظم الکنز، کتاب الحجر میں دیکھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ میرے

ف: مسئلہ جس کے کسی پر مثلاً سَو روپے آتے ہوں کہ اس نے دبا لئے یا اور کسی وجہ سے ہوئے اور اسے اس سے روپیہ ملنے کی امید نہیں تو سَو روپے کی مقدار تک اس کا جو مال ملے لے سکتا ہے آجکل اس پر فتویٰ دیا گیا ہے مگر سچے دل سے بازار کے بھاؤ سے سَو ہی روپے کا مال ہو، زیادہ ایک پیسہ کا ہو تو حرام در حرام ہے۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۲

جد والدی لامه الجمال الاشقر فی شرحه للقدوری ان عدم جواز الاخذ من خلاف الجنس کان فی زمانهم لمطاوعتهم فی الحقوق والفتوی الیوم علی جواز الاخذ عند القدرة من ای مال کان لاسیما فی دیارنا لمداومتهم للعقوق اھ۔[1]

والد کے نانا جمال اشقر نے اپنی شرح قدوری میں نقل کیا ہے کہ: خلاف جنس سے نہ لینے کا حکم اُن حضرات کے دور میں تھا کیوں کہ اس وقت حقوق کے معاملے میں شریعت کی فرمانبرداری ہوتی تھی اور آج فتوٰی اس پر ہے کہ جب قدرت مل جائے تو کسی بھی مال سے لینا جائز ہے خصوصًا ہمارے دیار میں۔ کیونکہ اب پیہم نافرمانی ہو رہی ہے اھ۔

ومن ذلك افتائی[ف] مرارًا بعدم انفساخ نکاح امرأة مسلم بارتدادها لما رأیت من تجاسرهن مبادرة الی قطع العصمة مع عدم امکان استرقاقهن فی بلادنا ولا ضربهن وجبرهن علی الاسلام کما بینته فی السیر من فتاوٰینا وکم له من نظیر۔

اسی میں سے یہ بھی ہے کہ میں نے بار با فتوٰی دیا کہ کسی مسلمان کی بیوی مرتد ہو جائے تو نکاح سے نہ نکلے گی کیوں کہ میں نے یہ دیکھا کہ رشتۂ نکاح منقطع کرنے کی جانب پیش قدمی میں ان کے اندر ارتداد کی جسارت پیدا ہو جاتی ہے اور ہمارے بلاد میں نہ انھیں باندی بنایا جا سکتا ہے نہ مار پیٹ کر اسلام لانے پر مجبور کیا جا سکتا ہے ــــ جیسا کہ اسے ہم نے اپنے فتاوٰی کی کتاب السیر میں بیان کیا ہے ــــ اور اس کی دوسری بہت سی نظیریں ہیں۔

وعلی الثانی ان لم تکن فیها روایة عن الامام فخارج عما نحن فیه

برتقدیر ثانی (اس مسئلے میں اسباب ستہ میں سے کوئی سبب نہیں) اگر اس میں امام سے کوئی روایت ہی نہ آئی تو یہ صورت ہمارے

ف: **مسئلہ** اب فتوٰی اس پر ہے کہ مسلمان عورت معاذ اللہ مرتد ہو کر بھی نکاح سے نہیں نکل سکتی وہ بدستور اپنے شوہر مسلمان کے نکاح میں ہے مسلمان ہو کر یا بلا اسلام دوسرے سے نکاح نہیں کر سکتی۔

---

[1] رد المحتار کتاب السرقة دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۰۰

ولا شك ان الرجوع اذ ذاك الى المجتهدين فى المذهب۔ وان كانت فاما مختلفت عنه اولا۔

مبحث سے خارج ہے ــــ اور بلاشبہہ اس صورت میں مجتہدین فی المذہب کی جانب رجوع ہوگا۔ اگر روایت ہے تو امام سے روایت مختلف آئی ہے یا بلا اختلاف آئی ہے۔

علی الاول المرجوع الیهم وکیف ما کان لایکون خروجا عن قوله رضی الله تعالٰی عنه ولا اعنی بالاختلاف مجیٔ النوادر على خلاف الظاهر فان ماخرج عن ظاهر الروایة مرجوع عنه کما نص علیه البحر والخیر والشامی[1] وغیرهم وما رجع عنه لم یبق قولا له فتثبت۔

پہلی صورت میں رجوع ان ہی حضرات کی جانب ہوگا ــــ اور جیسے بھی ہو قولِ امام رضی اللہ تعالٰے عنہ سے خروج نہ ہوگا۔ اور اختلاف سے میری مراد یہ نہیں کہ روایاتِ نوادر، ظاہر الروایہ کے خلاف آئی ہوں۔ اس لئے کہ جو ظاہر الروایہ سے خارج ہے مرجوع عنہ ہے (اس سے خود امام نے رجوع کرلیا ہے) جیسا کہ بحر، خیر رملی، شامی وغیرہ نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ اور امام نے جس سے رجوع کرلیا وہ ان کا قول نہ رہ گیا ــــ اس تحقیق پر ثابت قدم رہو۔

وعلی الثانی اما وافقه صاحباه او احدهما او خالفاه۔

بصورتِ دوم (جب کہ روایت، امام سے بلا اختلاف آئی ہے) (۱) یا تو صاحبین امام کے موافق ہوں گے (۲) یا صرف ایک صاحب موافق ہوں گے (۳) یا دونوں حضرات مخالف ہونگے۔

على الاول العمل بقوله قطعا ولا یجوز لمجتهد فی المذهب

پہلی صورت میں قطعاً قولِ امام پر عمل ہوگا ــــ اور کسی مجتہد فی المذہب کے لئے ان حضرات کی

ف: فائدہ ماخرج عن ظاهر الروایة فهو مرجوع عنه۔

---

[1] رد المحتار مقدمۃ الکتاب دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۶

ان یخالفهم الا فی صور الثنیا اعنی الحوامل الست فانه لیس خلافهم بل فی خلافه خلافهم۔

مخالفت روا نہیں — مگر استثنا یعنی اسباب ستہ والی صورتوں میں — کہ یہ ان حضرات کی مخالفت نہیں، بلکہ اس کے خلاف جانے میں ان کی مخالفت ہے۔

وکذلك علی الثانی کما نصوا علیه ایضا۔

یہی حکم دوسری صورت کا بھی ہے — جیسا کہ اس کی بھی مذکورہ حضرات نے تصریح فرمائی ہے۔

وعلی الثالث اما ان یتفقا علی شیئ واحد او خالفا وتخالفا۔ علی الثانی العمل بقوله مطلقا۔ وعلی الاول اما ان یتفق المرجحون علی ترجیح قولهما او قوله اولا و لا بان یختلفوا فیه اولا یأتی ترجیح شیئ منهما۔

بصورتِ سوم — (۱) یا تو صاحبین کسی ایک حکم پر متفق ہوں گے (۲) یا امام کے مخالف ہونے کے ساتھ باہم بھی مختلف ہوں گے۔ بصورتِ دوم مطلقاً قولِ امام پر عمل ہوگا — اور بصورتِ اول (۱) یا تو مرجحین قولِ صاحبین کی ترجیح پر متفق ہونگے (۲) یا قولِ امام کی ترجیح پر متفق ہوں گے (۳) یا یہ دونوں صورتیں نہ ہوں گی — اس طرح کہ ترجیح کے معاملے میں وہ باہم اختلاف رکھتے ہوں یا سرے سے کسی کی ترجیح ہی نہ آئی ہو۔

الاول لاکان ولا یکون قط ابدا الا فی احدی الحوامل الست، وحینئذ نتبعهم لانه قول امامنا بل ائمتنا الثلثة رضی الله تعالٰی عنهم ضرورۃ یا لهما وضروریا له، وان جهد احد غایة جهده ان یستخرج فرعا من غیر الست

پہلی صورت (صاحبین امام کے مخالف، باہم متفق ہوں اور تمام مرجحین بھی اِن ہی کی ترجیح پر متفق ہوں) نہ کبھی ہوئی نہ کبھی ہو سکتی ہے مگر ان ہی چھ اسباب میں سے کسی ایک سبب کی صورت میں — اگر ایسا ہے تو ہم مرجحین کا اتباع کریں گے کیونکہ یہی ہمارے امام کا بلکہ ہمارے تینوں ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کا قول ہے — صاحبین کا قول صوری بھی ہے — اور امام کا قول ضروری۔ اور اگر کوئی اپنی انتہائی کوشش اس بات کے لئے

اجمع فیه المرجحون عن آخرهم علی ترك قوله واختیار قولهما فلن یجدنه ابدا ، ولله الحمد۔

صرف کر ڈالے کہ اسبابِ ستہ والی صورتوں کے علاوہ کوئی ایک جزئیہ ایسا نکال لے جس میں سب کے سب مرجحین نے قولِ امام کے ترک اور قولِ صاحبین کی ترجیح پر اجماع کر رکھا ہو تو ہرگز ہرگز کبھی ایسا کوئی جزئیہ نہ پا سکے گا ، وللہ الحمد۔

والثانی ظاهر ان العمل بقوله اجماعا لاینبغی ان ینتطح فیه عنزان فالمسائل الی هنا لاخلاف فیها و فیها جمیعا العمل بقول الامام مهما وجد۔

دوسری صورت (صاحبین مخالفِ امام ہیں ، مرجحین قول امام کی ترجیح پر متفق ہیں) میں ظاہر ہے کہ قولِ امام پر عمل ہو گا ، بالاجماع اس میں کسی دو فرد کا بھی باہم نزاع نہیں ہو سکتا ـــ یہاں تک جو مسائل بیان ہوئے ان میں کوئی اختلاف نہیں اور سب میں یہی ہے کہ عمل قولِ امام ہی پر ہے جہاں بھی قولِ امام موجود ہو۔

بقی الثالث وهو ثامن ثمانیة من هذه الشقوق فهو الذی اتی فیه الخلاف فقیل هنا ایضا لاتخییر حتی للمجتهد بل یتبع قول الامام وان ادی اجتهاده الی ترجیح قولهما وقیل بل یتخیر مطلقا ولو غیر مجتهد والذی اتفقت کلماتهم علی تصحیحه التفصیل بان المقلد یتبع قول الامام واهل النظر قوة الدلیل۔
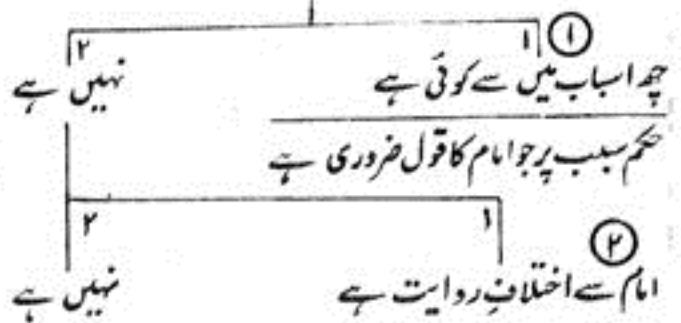
تیسری صورت رہ گئی ـــ یہ ان شقوں کی آٹھ صورتوں میں سے آٹھویں صورت ہے ـــ اسی میں اختلاف وارد ہے ـــ ایک قول ہے کہ یہاں بھی کوئی تخییر نہیں یہاں تک کہ مجتہد کے لئے بھی نہیں ، بلکہ اسے قولِ امام ہی کی پیروی کرنا ہے اگرچہ اس کا اجتہاد قولِ صاحبین کو ترجیح دیتا ہو ـــ ایک قول ہے کہ مطلقاً تخییر ہے اگرچہ غیر مجتہد ہو ـــ اور کلماتِ علما جس کی تصحیح پر متفق ہیں وہ یہ ہے کہ مجتہد اور غیر مقلد کا حکم یہاں الگ الگ ہے ۔ مقلد قولِ امام کی پیروی کرے گا اور صاحبِ نظر قوتِ دلیل کی پیروی کرے گا۔

فقد التأمت الکلمات الصحیحۃ المعتمدۃ جمیعا علی ان المقلد لیس لہ الا تقلید الامام و ان افتی بخلافہ مفت او مفتون، فان افتاءھم جمیعا بخلافہ فی غیر صور الثنیا ما کان وما یکون، والحمد للہ رب العلمین وصلوتہ الدائمۃ علی عالم ماکان

تو تمام صحیح معتمد کلمات اس پر متحد ثابت ہوئے کہ مقلد کو بہرصورت امام ہی کی تقلید کرنا ہے اگرچہ کسی ایک مفتی یا چند مفتیوں نے اس کے خلاف فتوٰی دیا ہو۔ کیونکہ سب کے سب مفتیوں کا خلافِ امام افتا — بجز صُوَرِ استثنا — نہ کبھی ہوا ہے نہ ہوگا — اور تمام تر ستائش خدا کے لئے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے — اور اس کا دائمی درود

یکون، وعلٰی اٰلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ افضل ما سأل السائلون۔

ہو عالم ماکان ومایکون پر، اور ان کی آل، اصحاب، فرزند اور گروہ پر، ان درودوں میں سب سے افضل درود جن کا سائلوں نے سوال کیا۔

ھذا ما تلخص لنا من کلماتھم وھو المنھل الصافی الذی وردہ البحر۔

یہ ہے وہ جو کلمات علما کی تلخیص سے ہمیں حاصل ہوا اور یہی وہ چشمہ صافی ہے جس پر "بحر" اترے۔

فاستمع نصوص العلماء کشف اللہ تعالٰی بھم العماء، وجلا بھم عنا کل بلاء وعناء۔

اب علما کے نصوص ملاحظہ ہوں، ان حضرات کے طفیل اللہ تعالٰی نابینائی زائل کرے اور ان کے صدقے میں ہم سے ہر تکلیف وبلا دور کرے۔

خمسۃ واربعون نصا علی المدعی

مدعا پر ۴۵ نصوص

فی محیط الامام السرخسی

ثم الفتاوٰی الھندیۃ لابد من معرفۃ فصلین احدھما انہ اذا اتفق اصحابنا فی شیئ ابوحنیفۃ وابویوسف ومحمد رضی اللہ تعالٰی عنھم لاینبغی للقاضی ان یخالفھم برأیہ والثانی اذا اختلفوا فیما بینھم قال عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ تعالٰی یؤخذ بقول ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ لانہ کان من التابعین وزاحمھم فی الفتوٰی[1] اھ

(۱-۲) امام سرخسی کی محیط پھر فتاوٰی ہندیہ میں ہے: ان دو ضابطوں کی معرفت ضروری ہے اول یہ کہ جب ہمارے اصحاب ابوحنیفہ، امام ابویوسف اور امام محمد کسی بات پر متفق ہوں تو قاضی کو یہ نہیں چاہئے کہ اپنی رائے سے ان کی مخالفت کرے ــــ دوم یہ کہ جب ان حضرات میں باہم اختلاف ہو تو عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کا قول لیا جائے گا، اس لئے کہ وہ تابعین میں سے تھے اور تابعین کے مقابلہ میں فتوٰی دیا کرتے تھے اھ۔

ف: فائدہ: امامنا رضی اللہ تعالٰی عنہ من التابعین وقد زاحم ائمتھم فی الفتوٰی۔

[1] الفتاوی الہندیۃ بحوالہ المحیط السرخسی کتاب ادب القاضی الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۳۱۲

زاد العلامة قاسم فی تصحیحه ثم الشامی فی رد المحتار فقوله اسد واقوی مالم یکن اختلاف عصر و زمان[1] اھ۔

(۴۔۵) یہاں علامہ قاسم نے تصحیح میں پھر علامہ شامی نے رد المحتار میں یہ اضافہ کیا: تو ان کا قول زیادہ صحیح اور زیادہ قوی ہوگا جب کہ عصر و زمانہ کا اختلاف نہ ہو۔ اھ

اقول وقول السرخسی برأیه یدل ان النھی للمجتھد ولا ینبغی ای لا یفعل بدلیل قوله لابد فلا یقال للمستحب لابد من معرفته اذا ما لا یحتاج الی فعله لا یحتاج الی معرفته انما العلم للعمل۔ وفی فتاوی الامام الاجل فقیه النفس قاضی خان المفتی فی زماننا من اصحابنا اذا استفتی فی مسألة وسئل عن واقعة ان کانت المسألة مرویة عن اصحابنا فی الروایات الظاھرة بلاخلاف بینھم فانه یمیل الیھم ویفتی بقولھم ولا یخالفھم برأیه وان کان مجتھدا متقنا لان الظاھر ان یکون الحق مع اصحابنا ولا یعدوھم و اجتھادہ لا یبلغ اجتھادھم و

اقول امام سرخسی کا لفظ "اپنی رائے سے" یہ بتاتا ہے کہ ممانعت مجتہد کے لئے ہے۔ اور "نہیں چاہئے" کا معنی یہ ہے کہ "نہ کرے" اس کی دلیل ان کا لفظ "لابد ــ ضروری" ہے۔ کیوں کہ مستحب سے متعلق یہ نہ کہا جائے گا کہ "اس کی معرفت ضروری ہے"۔ اس لئے کہ جس کا ذکر کرنا ضروری نہیں اس کا جاننا بھی ضروری نہیں۔ علم تو عمل ہی کے لئے ہوتا ہے۔

(۶) امام اجل فقیہ النفس قاضی خاں کے فتاوی قاضی خاں کے فتاوی میں ہے: ہمارے دور میں جب ہمارے مسلک کے مفتی سے کسی مسئلہ میں استفتا اور کسی واقعہ پر سوال ہو تو اگر وہ مسئلہ ہمارے ائمہ سے ظاہر الروایہ میں بلا اختلاف باہمی مروی ہے تو ان ہی کی طرف مائل ہو، ان ہی کے قول پر فتوی دے اور اپنی رائے سے ان کی مخالفت نہ کرے اگرچہ وہ پختہ کار مجتہد کیوں نہ ہو۔ اس لئے کہ ظاہر یہی ہے کہ حق ہمارے ائمہ کے ساتھ ہے اور ان سے متجاوز نہیں۔ اور اس کا اجتہاد ان کے اجتہاد کو نہیں پا سکتا۔ اور ان کے

---

[1] رد المحتار مقدمۃ الکتاب مطلب رسم المفتی دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۴۸

لا ينظر الى قول من خالفهم و لا تقبل حجته لانهم عرفوا الادلة و ميزوا بين ما صح و ثبت و بين ضده، فان كانت المسألة مختلفا فيها بين اصحابنا فان كان مع ابي حنيفة رحمه الله تعالى احد صاحبيه يؤخذ بقولهما لوفور الشرائط و استجماع ادلة الصواب فيهما، و ان خالف اباحنيفة رحمه الله تعالى صاحباه في ذلك فان كان اختلافهم اختلاف عصر و زمان كالقضاء بظاهر العدالة يأخذ بقول صاحبيه لتغير احوال الناس و في المزارعة و المعاملة و نحوهما يختار قولهما لاجتماع المتأخرين على ذلك، و فيما سوى ذلك قال بعضهم يتخير المجتهد و يعمل بما افضى اليه رأيه و قال عبد الله بن المبارك يأخذ بقول ابي حنيفة رحمه الله تعالى اھ[1]۔

اقول ولوجه ربنا الحمد اتى بكل ما قصدناه فاستثنى

مخالف کے قول پر نظر نہ کرے نہ اس کی حجت قبول کرے اس لئے کہ وہ دلائل سے آشنا تھے اور انھوں نے ثابت و صحیح اور غیر ثابت و صحیح کے درمیان امتیاز بھی کر لیا۔ (۲) اگر مسئلہ میں ہمارے ائمہ کے درمیان اختلاف ہے تو اگر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے ساتھ ان کے صاحبین میں سے کوئی ایک ہیں تو ان ہی دونوں حضرات (امام اور صاحبین میں سے ایک) کا قول لیا جائے گا کیوں کہ ان میں شرطیں فراہم، اور دلائل صواب مجتمع ہیں ــــ (۳) اور اگر اس مسئلہ میں صاحبین امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے برخلاف ہیں تو یہ اختلاف اگر عصر زمان کا اختلاف ہے ــــ جیسے گواہ کی ظاہری عدالت پر فیصلہ کا حکم ــــ تو صاحبین کا قول لیا جائے گا کیونکہ لوگوں کے حالات بدل چکے ہیں۔ اور مزارعت، معاملت اور ایسے ہی دیگر مسائل میں صاحبین کا قول اختیار ہوگا کیونکہ متاخرین اس پر اتفاق کر چکے ہیں ــــ (۴) اور اس کے ماسوا میں بعض نے کہا کہ مجتہد کو اختیار ہوگا اور جس نتیجے تک اس کی رائے پہنچے وہ اس پر عمل کرے گا ــــ اور عبد اللہ بن مبارک نے فرمایا کہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کا قول لے گا اھ۔

اقول ہمارے رب ہی کی ذات کے لئے حمد ہے۔ امام قاضی خاں نے ہمارے

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں فصل رسم المفتی مطبع نولکشور لکھنؤ ۱/۲

التعامل وما تغير فيه الحكم لتغير الاحوال فقد جمع الوجوه الستة الذى ذكرناها، ونص ان اهل النظر ليس لهم خلاف الامام اذا وافقه احد صاحبيه فكيف اذا وافقاه۔

مقصود سے متعلق سب کچھ بیان کر دیا۔ تعامل اور اس مسئلے کا جس میں حالات کے بدلنے سے حکم بدل گیا ہے، استثنا کر کے ہمارے ذکر کردہ اسبابِ ستّہ کو جمع کر دیا — یہ صراحت بھی فرما دی کہ صاحبین میں سے کوئی ایک جب امام کے موافق ہوں تو اصحابِ نظر کے لئے امام کی مخالفت روا نہیں — اگر دونوں ہی ان کے موافق ہیں تو کیونکر روا ہوگی؟

ثم ما ذكر من القولين فيما عداها لا خلف بينهما فى المقلد فالاول بتقييد التخيير بالمجتهد افاد ان لا خيار لغيره و الثانى حيث منع المجتهد عن التخيير فهو للمقلد امنع فاتفق القولان على ان المقلد لا يتخير بل يتبع الامام وهو المرام۔

پھر ماسوا مسائل میں جو دو قول بیان کئے ہیں ان کے درمیان مقلد کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں — قولِ اول میں تخییر کو مجتہد سے مقید کر کے یہ افادہ کر دیا کہ غیر مجتہد کو اختیار نہیں۔ اور قولِ دوم میں جب مجتہد کو تخییر سے منع کیا تو مقلد کو تو اور زیادہ منع کریں گے — اس طرح دونوں قول اس بات پر متفق ٹھہرے کہ مقلد کو تخییر نہیں بلکہ اسے امام ہی کا اتباع کرنا ہے — یہی مقصود ہے۔

وفى[٧] الفتاوى السراجية و[٨] النهر الفائق ثم الهندية[٩] و الحموى[١٠] وكثير من الكتب واللفظ للسراجية:
الفتوى على الاطلاق على قول ابى حنيفة ثم ابى يوسف ثم محمد ثم زفر[عه] و الحسن[1] و

(٧ — ١٠) فتاویٰ سراجیہ، النہر الفائق، پھر ہندیہ و حموی اور بہت سی کتابوں میں ہے: الفاظ سراجیہ کے ہیں:
فتویٰ مطلقاً قولِ امام ابوحنیفہ پر ہوگا پھر امام ابو یوسف پھر امام محمد پھر امام زفر — اور امام حسن کے قول پر۔

عـه هكذا نقل عنها فى شرح العقود وغيره والحسن بالواو وهو مفاد الدر لكن فى نسختى السراجية ثم الحسن والله تعالى اعلم ١٢ منه غفرله

سراجیہ سے شرح عقود وغیرہ میں "والحسن" واو کے ساتھ نقل کیا ہے۔ یہی درمختار کا بھی مفاد ہے۔ لیکن میرے نسخہ سراجیہ میں "ثم الحسن" ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم ١٢ منہ (ت)

---

[1] الفتاوى السراجية كتاب ادب المفتى والتنبيه على الجواب مطبع نولكشور لكهنؤ ص ١٥٧

لفظ النهر ثم الحسن[1]۔

اقول وھو حسن فان مکانۃ زفر مما لاینکر لکن قال ش الواو ھی المشھورۃ فی الکتب[2] اھ ومعنی الترتیب ای اذا لم یجد قول الامام (۱۱) رأیت الشامی صرح بہ فی شرح عقودہ حیث قال اذا لم یوجد للامام نص یقدم قول ابی یوسف ثم محمد الخ قال والظاھر ان ھذا فی حق غیر المجتھد، اما المفتی المجتھد فیتخیر بما یترجح عندہ دلیلہ[3] اھ۔

اقول ای اذا لم یجد قول الامام لایتقید بالترتیب فیتبع قول الثانی وان ادی رأیہ الی قول الثالث کما کان لایتخیر اتفاقا اذا کان مع الامام صاحباہ او احدھما والذی استظھرہ ظاھر ثم قال الا اعنی السراجیۃ

اور نہر میں ثم الحسن ہے (پھر امام حسن)۔

اقول لفظ نہر "ثم الحسن" عمدہ ہے کیونکہ امام زفر کی ان سے برتری ناقابلِ انکار ہے — لیکن علامہ شامی لکھتے ہیں کہ "واو" ہی کتابوں میں مشہور ہے اھ — اور ترتیب مذکور اس صورت میں مقصود ہے جب امام کا قول نہ ملے۔

(۱۱) پھر میں نے دیکھا کہ علامہ شامی نے شرح عقود میں اس کی صراحت بھی فرمائی ہے وہ فرماتے ہیں: جب امام کا کوئی نص نہ ملے تو امام ابو یوسف کا قول مقدم ہوگا پھر امام محمد کا۔ الخ۔ اور فرماتے ہیں: ظاہر یہ ہے کہ یہ غیر مجتہد کے حق میں ہے — رہا مفتی مجتہد تو یہ اسے اختیار کرے گا جس کی دلیل اس کے نزدیک راجح ہو۔ اھ۔

اقول یعنی جب امام کا قول اسے نہ ملے تو وہ ترتیب کا پابند نہیں کہ امام ثانی ہی کے قول کی پیروی کرے اگرچہ اس کا اجتہاد امام ثالث کے قول پر جائے، جیسے اس صورت میں بالاتفاق اسے اختیار نہیں جب امام کے ساتھ صاحبین یا ان میں سے ایک ہوں۔ اور علامہ شامی نے جس کو ظاہر کہہ کر بیان کیا وہ ظاہر ہے — پھر سراجیہ

---

[1] الدر المختار بحوالہ النہر | کتاب القضاء | مطبع مجتبائی دہلی | ۲/۷۲
النہر الفائق شرح کنز الدقائق | کتاب القضاء | قدیمی کتب خانہ کراچی | ۳/۵۹۹
[2] رد المحتار | کتاب القضاء | مطلب یفتی بقول الامام علی الاطلاق | " " " | ۴/۳۰۲
[3] شرح عقود رسم المفتی | رسالہ من رسائل ابن عابدین | سہیل اکیڈمی لاہور | ۱/۲۷

والنهر وقيل اذا كان ابوحنيفة في جانب وصاحباه في جانب فالمفتي بالخيار والاول اصح اذا لم يكن المفتي مجتهدا[1] اھ وفي التنوير[12] والدر[13] (يأخذ) القاضي كالمفتي (بقول ابي حنيفة على الاطلاق وهو الاصح منية[14] وسراجية وصحح في الحاوي اعتبار قوة المدرك والاول اضبط نهر[15] (ولا يخير الا اذا كان مجتهدا) اھ وفي صدر ط[16] ماذكره المصنف صححه في ادب المقال[17][3] اھ وفي البحر[18] كما مر قد صححوا ان الافتاء بقول الامام[4] اھ وقال ش قوله وهو الاصح مقابله ما يأتي عن الحاوي وما في جامع الفصولين من

اور نہر میں یہ بھی ہے: کہا گیا کہ جب امام ابوحنیفہ ایک طرف ہوں اور صاحبین دوسری طرف تو مفتی کو اختیار ہے — اور قولِ اول اصح ہے جب کہ مفتی صاحبِ اجتہاد نہ ہو اھ۔

(۱۲ — ۱۵) تنویر الابصار[12] اور درمختار[13] میں ہے: (عبارتِ تنویر قوسین میں ہے ۱۲ م) مفتی کی طرح قاضی بھی (مطلقاً قولِ امام کو لے گا) — یہی اصح ہے — منیہ[14] وسراجیہ — اور حاوی میں قوتِ دلیل کے اعتبار کو صحیح کہا ہے — اور قولِ اول زیادہ ضبط والا ہے نہر[15] — (اور تخییر نہ ہوگی مگر جب کہ وہ صاحبِ اجتہاد ہو) — اھ۔

(۱۶ — ۱۷) طحطاوی[16] کے شروع میں ہے: مصنف نے جو ذکر کیا ہے اسی کو ادب المقال[17] میں صحیح کہا ہے اھ۔

(۱۸) بحر میں ہے، جیسا کہ گزرا: علمائے اسی کو صحیح قرار دیا ہے کہ فتویٰ قولِ امام پر ہوگا اھ۔

علامہ شامی لکھتے ہیں: عبارتِ درمختار "وھو الاصح" کا مقابل وہ ہے جو حاوی کے حوالے سے آرہا ہے اور وہ جو جامع الفصولین میں ہے

---

[1] الفتاوی السراجیۃ کتاب ادب المفتی والتنبیہ علی الجواب مطبع نولکشور لکھنؤ ص ۱۵۷

النہر الفائق شرح کنز الدقائق کتاب القضاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۳/۵۹۹

[2] الدر المختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/۷۲

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار مقدمۃ الکتاب المکتبۃ العربیۃ کوئٹہ ۱/۴۸

[4] البحر الرائق کتاب القضاء فصل یجوز تقلید من شاء الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/۲۶۹

انه لو معه احد صاحبیه اخذ بقوله وان خالفاه قیل کذلک وقیل یخیر الا فیما کان الاختلاف بحسب تغیر الزمان کالحکم بظاهر العدالة وفیما اجمع المتأخرون علیه کالمزارعۃ والمعاملۃ فیختار قولهما[۱] اھ وفی صدر الدر الاصح کما فی السراجیۃ وغیرها انه یفتی بقول الامام علی الاطلاق وصحح فی الحاوی القدسی قوة المدرک[۲] اھ قال ط قوله والاصح مقابله قوله بعد وصحح فی الحاوی[۳] اھ۔

کہ: اگر صاحبین میں سے کوئی ایک، امام کے ساتھ ہوں تو قولِ امام لیا جائے گا۔ اور اگر صاحبین مخالفِ امام ہوں تو بھی ایک قول یہی ہے دوسرا قول یہ ہے کہ تخییر ہوگی مگر اس مسئلے کے اندر جس میں تبدیلِ زمانہ کی وجہ سے اختلاف پیدا ہوا ہو جیسے ظاہر عدالت پر فیصلہ کرنے کا مسئلہ اور مزارعت و معاملت جیسے مسائل جن میں متاخرین کا اجماع ہو چکا ہے کہ ان سب میں قولِ صاحبین اختیار کیا جائے گا اھ۔

درمختار کے شروع میں ہے، جیسا کہ سراجیہ وغیرہا میں مذکور ہے اصح یہ ہے کہ مطلقاً قولِ امام پر فتوٰی دیا جائے گا۔ اور حاوی قدسی میں قوتِ دلیل کے اعتبار کو صحیح کہا ہے اھ۔

طحطاوی لکھتے ہیں: درمختار میں مذکور "اصح" کا مقابل وہ ہے جو بعد میں "صحح فی الحاوی ـــ حاوی نے اعتبارِ دلیل کو صحیح کہا" لکھ کر بیان کیا ہے۔ اھ۔

وقال ش بعد نقل عبارة السراجیۃ مقابل الاصح غیر مذکور فی کلام الشارح فافهم[۴] اھ۔

علامہ شامی سراجیہ کی عبارت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: اصح کا مقابل کلامِ شارح میں مذکور نہیں ـ فافہم (تو سمجھو)۔ اھ۔ اِس لفظ

---

[۱] رد المحتار کتاب القضاء مطلب یفتی بقول الامام علی الاطلاق دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/۳۰۲
[۲] الدر المختار رسم المفتی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴
[۳] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار " المکتبۃ العربیۃ کوئٹہ ۱/۴۹
[۴] رد المحتار " دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۴۸

یرید بہ التعریض علی ط۔

اقول ھھنا امور لابد من التنبہ لھا:

فاولا (ف۱) اقحم الدر ذکر فی التصحیحین قبل قول المصنف و لایخیر الخ فاوھم الاطلاق فی الحکم الاول حتی (ف۲) قال ط قولہ صحح فی الحاوی مقابل الاطلاق الذی فی المصنف[۱] اھ مع ان صریح نص المصنف تقییدہ بما اذا لم یکن مجتھدا۔

وثانیا ماصححہ فی الحاوی عین ماصححہ فی السراجیۃ والمنیۃ وادب المقال وغیرھا وانما الفرق فی التعبیر فھم قالوا الاصح ان المقلد لایتخیر بل یتبع قول الامام وھو قال الاصح ان المجتھد

سے طحطاوی پر تعریض مقصود ہے۔

اقول یہاں چند امور پر متنبّہ ہونا ضروری ہے:

اولاً صاحبِ تنویر کا قول "مطلقاً قولِ امام کو لے گا" غیر مجتہد سے خاص ہے۔ مگر شارح نے عبارتِ متن "اور تخییر نہ ہوگی الخ" سے پہلے دونوں تصحیحوں کا تذکرہ درمیان میں رکھ دیا جس سے یہ وہم پیدا ہُوا کہ حکم اول (اخذِ قولِ امام) میں اطلاق ہے۔ یہاں تک کہ سید طحطاوی نے یہ سمجھ لیا کہ شارح کا قول "صحح فی الحاوی" اُسی اطلاق کا مقابل ہے جو کلامِ مصنف میں ہے حالاں کہ مصنف کی عبارت میں صراحۃً وہ اِس سے مقید ہے کہ "جب کہ وہ صاحبِ اجتہاد نہ ہو"۔

ثانیاً حاوی میں جس قول کو صحیح کہا ہے بعینہٖ وہی ہے جسے سراجیہ، منیہ، ادب المقال وغیرہا میں صحیح کہا ہے، فرق صرف تعبیر کا ہے۔ اِن حضرات نے یُوں کہا کہ: مقلد کو تخییر نہیں بلکہ اسے قولِ امام ہی کی پیروی کرنی ہے ___ اور حاوی نے یوں کہا کہ اصح یہ ہے کہ مجتہد کو

ف۱: تطفل علی الدر المختار۔

ف۲: معروضۃ علی العلامۃ ط۔

---

[۱] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب القضاء المکتبۃ العربیۃ کوئٹہ ۳/۱۷۶

يتخير لان قوة الدليل[ف۱] انما يعرفها هو فيستحيل ان يكون مقابل الاصح ماصححه فی الحاوی بل مقابله التخيير مطلقا اذا خالفاه معا كما هو مفاد اطلاق القيل المذكور فی السراجية والتقييد بقول الامام مطلقا وان خالفاه معا والمفتی مجتہد كما هو مفاد اطلاق ما صدر به فيها۔

تخییر ہوگی اس لئے کہ دلیل کی قوت سے آشنا وہی ہوگا۔ جب حقیقت یہ ہے تو محال ہے کہ اصح کا مقابل وُہ ہو جسے حاوی میں اصح کہا، بلکہ اس کا مقابل یہ ہے کہ (۱) مطلقاً تخییر ہوگی جب کہ صاحبین مخالف امام ہوں۔ جیسا کہ سراجیہ میں مذکور "قیل ۔ کہا گیا" کا مفاد ہے۔ (۲) اور یہ کہ مطلقاً قولِ امام کی پابندی ہے اگرچہ صاحبین ان کے مخالف اور مفتی صاحبِ اجتہاد ہو ۔ جیسا کہ یہ اس کلام کے اطلاق کا مفاد ہے جسے سراجیہ کے اندر شروع میں ذکر کیا۔ [اس میں پہلے یہ کہا کہ "فتوٰی مطلقاً قولِ امام پر ہے"۔ پھر یہ لکھا: "کہا گیا کہ جب امام ایک جانب اور صاحبین دوسری جانب ہوں تو مفتی کو اختیار ہے"۔ اس کے متصل یہ کہا کہ: "اول اصح ہے جب کہ مفتی صاحبِ اجتہاد نہ ہو"۔ آغازِ کلام سے پتا چلا کہ مجتہد غیر مجتہد سب کے لئے قولِ امام کی پابندی ہے، درمیانی قول سے معلوم ہوا کہ مخالفت صاحبین کی صورت میں سب کے لئے تخییر ہے ۔ آخر والی تصحیح سے معلوم ہوا کہ غیر مجتہد کے لئے تو مطلقاً قولِ امام کی پابندی ہے اور مجتہد کے لئے مخالفتِ صاحبین کی صورت میں اختیار ہے ۱۲م]

فلا وجه[ف۲] لترجيح الاول عليه بانه

جب ایسا ہے تو اول کو "زیادہ ضبط والا" کہہ کر

ف۱: معروضة عليه وعلی العلامة ش۔

ف۲: تطفل علی النهر وعلی الدر۔

اضبط۔

وقد قال ح ط ش فی التوفیق بین ما فی السراجیة والحاوی ان من کان لہ قوۃ ادراك قوۃ المدرك یفتی بالقول القوی المدرك والا فالترتیب[1] اھ۔ قال ش یدل علیہ قول السراجیة والاول اصح اذا لم تکن المفتی مجتھدا[2] اھ۔

اقول فرق التعبیر[ف۱] لایکون خلافا حتی یوفق و بالجملہ فتوھم المقابلة بینھما اعجب واعجب[ف۲] منہ ان العلامة ش تنبہ لہ فی صدر الکتاب ثم وقع فیہ فی کتاب القضاء فسبحن من لاینسی۔

تصحیح حاوی پر اسے ترجیح دینے کا کوئی معنی نہیں [تصحیح حاوی اور تصحیح اول تو بعینہ ایک ہیں ۱۲م]

(۱۹ — ۲۱) حضرات حلبی[۱۹]، طحطاوی[۲۰] وشامی[۲۱] نے کلامِ سراجیہ اور کلامِ حاوی میں تطبیق کے لئے یہ کہا کہ: جس کے پاس مدرک ودلیل کی قوت سے آگاہی کی قدرت ہو وہ اپنے دریافت کردہ قوی قول پر فتوٰی دے گا ورنہ وہی ترتیب ہوگی اھ۔ شامی فرماتے ہیں: اس پر سراجیہ کی یہ عبارت دلالت کررہی ہے: "اور اول اصح ہے جب کہ مفتی صاحبِ اجتہاد نہ ہو" اھ۔

اقول فرق تعبیر کوئی معنوی اختلاف ہے ہی نہیں کہ تطبیق دی جائے — الحاصل ان دونوں تصحیحوں میں مقابلہ کا توہّم بہت عجیب ہے اور اس سے زیادہ عجیب یہ کہ علامہ شامی شروع کتاب میں اس پر متنبہ ہوئے پھر کتاب القضاء میں جاکر اس وہم میں پڑ گئے۔ تو پاکی اس ذات کے لئے جسے فراموشی و نسیان نہیں۔

ف۱: معروضة علی العلامة ح وعلی ط وعلی ش۔
ف۲: معروضة علی ش۔

---

[1] حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار رسم المفتی المکتبة العربیة کوئٹہ ۱/۴۹
ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۴۸

[2] " " " " " "

ثالثا کذلك لایقابله[ف۱] ما فی جامع الفصولین فانه عین ما فی الخانیة وانما نقله عنها برمز خ وفیه تقیید التخییر بالمجتهد فالکل ورد واموردا واحدا وانما ینشؤ التوهم لاقتصار وقع فی النقل عنه فان نصه[۲۲] لومع ح رضی اللہ تعالٰی عنه احد صاحبیه یاخذ بقولهما ولو خالف ح صاحباه فلوکان اختلافهم بحسب الزمان یاخذ بقول صاحبیه وفی المزارعة والمعاملة یختار قولهما لاجماع المتأخرین وفیما عدا ذلك قیل یخیر المجتهد وقیل یاخذ بقول ح رضی اللہ تعالٰی عنه[۱] اھ فانکشفت الشبهة۔

ثالثا اسی طرح اس کا مقابل وہ بھی نہیں جو جامع الفصولین میں ہے اس لئے کہ اس کا کلام تو بعینہٖ وہی ہے جو خانیہ کا ہے، اسی سے "خ" کا رمز دے کر نقل بھی کیا ہے۔ اس اختیار کو اس سے مقید کیا ہے کہ مفتی مجتہد ہو تو سب نے ایک موقف اختیار کیا ہے اور وہم اس اختیار سے پیدا ہوا ہے جو نقل میں واقع ہوا ہے۔

جامع کی عبارت اس طرح ہے:

(۲۲) اگر امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ساتھ ان کے صاحبین میں سے کوئی ایک ہوں تو ان ہی دونوں (امام اور وہ ایک صاحب) کے قول کو لے۔ اور اگر صاحبین "ح" کے مخالف ہوں تو اگر ان حضرات کا اختلاف بلحاظ زمان ہے تو صاحبین کا قول لے۔ اور مزارعت و معاملت میں صاحبین ہی کا قول اختیار کرے کیوں کہ اسی پر اجماع متأخرین ہے — ان صورتوں کے ماسوا میں ایک قول یہ ہے کہ مجتہد کو تخییر ہے اور ایک قول یہ ہے کہ امام ح رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ہی قول لینا ہے۔ اھ — اس سے شبہہ منکشف ہوگیا۔

ورابعا اهم من[ف۲] الکل دفع ما اوهمه عبارة الدر من ان تصحیح الحاوی اعتبار قوة

رابعاً سب سے اہم اس وہم کو دُور کرنا ہے جو عبارتِ درمختار نے پیدا کیا کہ حاوی کے نزدیک قوتِ دلیل کے اعتبار کو اصح

ف۱: معروضة علیه۔

ف۲: تطفل علی الدر۔

[۱] جامع الفصولین الفصل الاول فی القضاء الخ اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۵

المدرك مطلق لاقتصاره من نصه
على فصل واحد وليس كذلك
ففي الحاوي القدسي[23] متى كان
قول ابي يوسف ومحمد موافق قوله
لايتعدى عنه الا فيما مست
اليه الضرورة وعلم انه لوكان
ابوحنيفة رأى ما رأوا لافتى به
وكذا اذا كان احدهما معه فان
خالفاه في الظاهر[عه]
قال بعض المشائخ يأخذ
بظاهر قوله وقال
بعضهم المفتي مخير بينهما
ان شاء افتى بظاهر
قوله وان شاء افتى
بظاهر قولهما والاصح ان
العبرة بقوة الدليل[1] اھ۔

فهذا كما ترى عين ما
في الخانية لايخالفها في
شيئ فقد لزم اتباع قول الامام اذا وافقه

قرار دینا مطلقاً ہے یہ وہم پیدا ہونے کی وجہ
یہ ہے کہ درمختار میں عبارتِ حاوی کے صرف
ایک ٹکڑے پر اقتصار ہے۔ حقیقت یوں نہیں،
کیوں کہ حاوی قدسی[23] کی پوری عبارت یہ ہے:
(۲۳) جب امام ابویوسف وامام محمد کا قول،
قولِ امام کے موافق ہو تو اس سے تجاوز نہ کیا جائیگا
مگر اس صورت میں جب کہ ضرورت درپیش ہو اور
معلوم ہو کہ اگر امام ابوحنیفہ بھی اسے دیکھتے جو
بعد والوں نے دیکھا تو اسی پر فتوٰی دیتے ——
یہی حکم اُس وقت بھی ہے جب صاحبین میں سے
کوئی ایک، امام کے ساتھ ہوں۔ اگر دونوں ہی حضرات
ظاہر میں مخالف امام ہوں تو بعض مشائخ نے
فرمایا کہ ظاہر قول امام کو لے —— اور بعض مشائخ
نے فرمایا کہ مفتی کو دونوں کا اختیار ہے۔ اگر چاہے
تو ظاہر قول امام پر فتوٰی دے اور چاہے تو ظاہر
قول صاحبین پر فتوٰی دے —— اور اصح یہ ہے
کہ اعتبار، قوتِ دلیل کا ہے اھ (حاوی قدسی)
دیکھئے بعینہٖ وہی بات ہے جو خانیہ میں ہے،
ذرا بھی اس کے خلاف نہیں۔ کیوں کہ حاوی
نے بھی امام کے ساتھ موافقت صاحبین کی صورت

عه المراد بالظاهر في المواضع الاربعة ظاهر الرواية ۱۲ منه۔

عہ چاروں جگہ لفظ "ظاہر" سے مراد ظاہر الروایہ ہے ۱۲ منہ (ت)

۱؎ شرح عقود رسم المفتی بحوالہ الحاوی القدسی رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۲۶

صاحباہ وکذا اذا وافقہ احدھما وانما جعل الاصح العبرۃ بقوۃ الدلیل اذا خالفاہ معا لا مطلقا کما اوھمہ الدر ومعلوم ان معرفۃ قوۃ الدلیل وضعفہ خاص باھل النظر فوافق تقدیم الخانیۃ تخییر المجتہد لانہ انما[1] یقدم الاظہر الاشہر۔

میں، اسی طرح صرف ایک صاحب کی موافقت کی صورت میں قولِ امام ہی کا اتباع لازم کیا ہے۔ اور قوتِ دلیل کے اعتبار کو اصح صرف اُس صورت میں قرار دیا ہے جب دونوں ہی حضرات، مخالفِ امام ہوں ــ اسے مطلقاً اصح نہ ٹھہرا جیسا کہ عبارت درمختار نے وہم پیدا کیا ــ اور معلوم ہے کہ دلیل کی قوت اور ضعف کی معرفت خاص اہلِ نظر کا حصہ ہے ــ تو یہ تصحیح اسی کے مطابق ہے جسے خانیہ نے مقدم رکھا ــ یعنی یہ کہ مجتہد کے لئے تخییر ہے ــ اس لئے کہ قاضی خاں اسی کو مقدم کرتے ہیں جو اظہر واشہر ہو۔

وقد علمت ان لا خلف فاحفظ ھذا کیلا تزل فی فھم مرادہ حیث ینقلون عنہ القطعۃ الاخیرۃ فقط ان العبرۃ بقوۃ الدلیل فتظن عمومہ للصور وانما ھو فی ما اذا خالفاہ معا

معلوم ہوچکا کہ دونوں میں کوئی فرق و اختلاف نہیں تو اسے یاد رکھنا چاہئے تاکہ مرادِ حاوی سمجھنے میں لغزش نہ ہو کیوں کہ لوگ ان کا صرف آخری ٹکڑا "اعتبار، قوتِ دلیل کا ہے" نقل کرتے ہیں، جس سے خیال ہوتا ہے کہ ان کا یہ حکم تمام ہی صورتوں کے لئے ہے۔ حالاں کہ یہ صرف اُس صورت کے لئے ہے جب دونوں حضرات مخالفِ امام ہوں۔

وبامثال[2] ماوقع ھھنا فی نقل ش کلام جامع الفصولین ونقل الدر کلام الحاوی وما وقع فیھما من

یہاں علامہ شامی سے کلام جامع الفصولین کی نقل میں اور صاحبِ در سے کلام حاوی کی نقل میں جو واقع ہوا اور دونوں میں جو اختصار مخل در آیا

ف ۱ : ما قدم الامام قاضی خان فھو الاظھر الاشھر۔

ف ۲ : لیجتنب النقل بالواسطۃ مھما امکن۔

الاقتصار المخل يتعين انه ينبغي مراجعة المنقول عنه اذا وجد فربما ظهر شیئ لا يظهر مما نقل وان کانت النقلۃ ثقات معتمدین فاحفظ۔

ایسی ہی باتوں کے پیشِ نظر یہ متعین ہو جاتا ہے کہ منقول عنہ کے موجود اور دستیاب ہونے کی صورت میں اس کی مراجعت کرلینا چاہئے۔ ہوسکتا ہے کہ اس سے کوئی ایسی بات منکشف ہو جو نقل سے ظاہر نہیں ہوتی اگرچہ نقل کرنے والے ثقہ و معتمد ہیں ـــ اسے یاد رکھیں۔

وقد قال فی شرح العقود[۲۴] بعد نقله ما فی الحاوی (الحاصل) انه اذا اتفق ابوحنیفة وصاحباه علی جواب لم یجز العدول عنه الا لضرورة وکذا اذا وافقه احدهما واما اذا انفرد عنهما بجواب وخالفاه فيه فان انفرد کل منهما بجواب ایضا بان لم یتفقا علی شیئ واحد فالظاهر ترجیح قوله ایضا۔[۱]

(۲۴) شرح عقود میں حاوی کا کلام نقل کرنے کے بعد تحریر ہے: حاصل یہ کہ جب امام ابوحنیفہ اور صاحبین کسی حکم پر متفق ہوں تو اس سے عدول جائز نہیں۔ مگر ضرورت کے سبب ـــ یوں ہی جب صاحبین میں سے ایک ان کے موافق ہوں۔ لیکن جب امام کسی حکم میں صاحبین سے علیحدہ ہوں اور دونوں حضرات اس میں امام کے برخلاف ہوں تو اگر یہ بھی الگ الگ ایک ایک حکم رکھتے ہوں اس طرح کہ کسی ایک بات پر متفق نہ ہوں تو بھی ظاہر یہی ہے کہ ترجیح قولِ امام کو ہوگی۔

اقول وهذه نفيسة افادها وکم له من فوائد اجادها والامر کما قال لقول الخانية یأخذ بقول صاحبيه و

اقول یہ ایک نفیس نکتہ ہے جس کا افادہ فرمایا اور ان کے ایسے عمدہ افادات بہت ہیں ـــ اور حقیقت وہی ہے جو انہوں نے بیان کی۔ اس لئے کہ خانیہ میں ہے: صاحبین کا قول لیا جائے گا، اور یہ بھی ہے صاحبین

ف: الترجیح لقول الامام ای بلاخلاف اذا خالفاہ تخالفا۔

[۱] شرح عقود رسم المفتی بحوالہ الحاوی القدسی رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۲۶

قولهما يختار قولهما وقول السراجية وغيرها وصاحباه في جانب۔

قال واما اذا خالفاه واتفقا على جواب واحد حتى صار هو في جانب وهما في جانب فقيل يترجح قوله ايضا وهذا قول الامام عبد الله بن المبارك وقيل يتخير المفتي وقول السراجية و الاول اصح اذا لم يكن المفتي مجتهدا يفيد اختيار القول الثاني ان كان المفتي مجتهدا ومعنى تخييره انه ينظر في الدليل فيفتي بما يظهر له ولا يتعين عليه قول الامام وهذا الذي صححه في الحاوي ايضا بقوله والاصح ان العبرة لقوة الدليل لان اعتبار قوة

کا قول اختیار ہوگا — اور سراجیہ وغیرہا میں ہے، کہ: اور صاحبین ایک طرف ہوں۔[1]

علامہ شامی آگے لکھتے ہیں: لیکن جب صاحبین امام کے مخالف ہوں اور باہم ایک حکم پر متفق ہوں یہاں تک کہ امام ایک طرف ہو گئے ہوں اور صاحبین ایک طرف۔ تو کہا گیا کہ اس صورت میں قولِ امام کو ہی ترجیح ہوگی — یہ امام عبد اللہ بن مبارک کا قول ہے — اور کہا گیا کہ مفتی کو اختیار ہوگا — اور سراجیہ کا کلام: "اول اصح ہے جب کہ مفتی صاحبِ اجتہاد نہ ہو" یہ مفتی کے مجتہد ہونے کی صورت میں قول ثانی کی ترجیح کا افادہ کر رہا ہے — تخییرِ مفتی کا معنی یہ ہے کہ دلیل میں نظر کرنے کے بعد اس پر جو منکشف ہو اسی پر وہ فتویٰ دے گا اور اس پر قولِ امام کی پابندی متعین نہ ہوگی اسی کی حاوی میں تصحیح کی ہے ان الفاظ سے: "اصح یہ ہے کہ اعتبار قوتِ دلیل کا ہوگا" — اس لئے کہ قوتِ دلیل کا اعتبار

---

[1] خانیہ کی دونوں عبارت اس صورت سے مقید ہے جب صاحبین ہم رائے ہونے کے ساتھ خلافِ امام ہوں اور ان کا یہ اختلاف اسبابِ ستّہ کی صورتوں میں سے تغیرِ زمان وعرف کی حالت میں ہو۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ جب اسبابِ ستّہ کی بنا پر اختلاف نہ ہو اور صاحبین مخالفِ امام ہونے کے ساتھ ایک رائے پر نہ ہوں تو ان کا قول نہیں لیا جائے گا بلکہ قولِ امام کا اتباع ہوگا۔ اسی طرح سراجیہ وغیرہا میں تخییرِ مفتی کا حکم اُسی صورت میں مذکور ہے جب صاحبین ایک ساتھ ہوں۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر مخالفت امام کے ساتھ ان میں باہم اتفاق نہ ہو تو مفتی کے لئے تخییر نہیں بلکہ قولِ امام ہی کی پابندی ہے ۱۲ محمد احمد مصباحی

الدليل شأن المفتي المجتهد فصار فيما اذا خالفه صاحباه ثلاثة اقوال، الاول اتباع قول الامام بلا تخيير، الثاني التخيير مطلقا، الثالث وهو الاصح التفصيل بين المجتهد وغيره وبه جزم قاضي خان كما يأتي، والظاهر ان هذا توفيق بين القولين بحمل القول باتباع قول الامام على المفتي الذي هو غير مجتهد وحمل القول بالتخيير على المفتي المجتهد[1] اھ۔

کرنا مفتی مجتہد ہی کا کام ہے — تو صاحبین کے مخالفِ امام ہونے کی صورت میں تین قول ہوگئے: اوّل یہ کہ بلا تخییر قولِ امام ہی کا اتباع ہوگا دوم یہ کہ مطلقاً تخییر ہوگی — سوم — اور وہی اصح ہے — یہ کہ مجتہد اور غیر مجتہد کے درمیان تفریق ہے [مجتہد کے لئے تخییر، غیر کے لئے پابندیِ امام ۱۲م] — اسی پر امام قاضی خاں نے بھی جزم کیا جیسا کہ آرہا ہے — اور ظاہر یہ ہے کہ یہ پہلے دونوں قولوں میں تطبیق ہے اس طرح کہ اتباعِ امام والے قول کو اس مفتی پر محمول کیا جو غیر مجتہد ہو اور تخییر والے قول کو اس مفتی پر محمول کیا جو مجتہد ہو اھ۔

ثم قال وقد علم من هذا انه لاخلاف في الاخذ بقول الامام اذا وافقه احدهما ولذا قال الامام قاضي خان وان كانت المسألة مختلفا فيها بين اصحابنا[2] الى اخر ما قدمنا عنها۔

آگے فرمایا: اس سے معلوم ہوگیا کہ صاحبین میں سے کسی ایک کے موافقِ امام ہونے کی صورت میں، قولِ امام کی پابندی کے حکم میں کوئی اختلاف نہیں — اسی لئے امام قاضی خاں نے فرمایا: اگر مسئلہ میں ہمارے ائمہ کے درمیان اختلاف ہے — یہاں سے آخر عبارت تک جو ہم پہلے (نص ۶ کے تحت) نقل کر آئے۔

فقد اعترف رحمه الله تعالى بالصواب في جميع تلك الابواب، غير انه استدرك على هذا الفصل

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ ان تمام ابواب ضوابط میں درستی وصواب کے معترف ہیں، سوا اس کے کہ اس اخیر حصے پر یوں استدراک

---

[1] شرح عقود رسم المفتی بحوالہ الحاوی القدسی رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۲۶و۲۷

[2] " " " " " " " " " " " ۱/۲۷

الاخیر بقولہ لکن قدمنا ان ما نقل عن الامام من قولہ اذا صح الحدیث فھو مذھبی محمول علی مالم یخرج عن المذھب بالکلیۃ کما ظھر لنا من التقریر السابق و مقتضاہ جواز اتباع الدلیل و ان خالف ما وافقہ علیہ احد صاحبیہ، ولھذا قال فی البحر عن التتارخانیۃ اذا کان الامام فی جانب وھما فی جانب خیر المفتی وان کان احدھما مع الامام اخذ بقولھما الا اذا اصطلح المشائخ علی قول الاٰخر فیتبعھم کما اختار الفقیہ ابو اللیث قول زفر فی مسائل انتھی [1]

فرمایا ہے: لیکن ہم پہلے بتا چکے کہ امام سے نقل شدہ ان کا ارشاد "جب حدیث صحیح ہو تو وہی میرا مذہب ہے" اُس پر محمول ہے جو مذہب سے بالکلیہ خارج نہ ہو۔ جیسا کہ تقریر سابق سے ہم پر منکشف ہوا۔ اور اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ دلیل کا اتباع اُس صورت میں بھی جائز ہے جب دلیل امام کے ایسے قول کے مخالف ہو جس پر صاحبین میں سے کوئی ایک، حضرت امام کے موافق ہوں — اسی لئے بحر میں تاتارخانیہ سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: جب امام ایک طرف ہوں اور صاحبین دوسری طرف تو مفتی کو تخییر ہے — اور اگر صاحبین میں سے ایک، امام کے ساتھ ہوں تو ان ہی دونوں حضرات (امام اور ایک صاحب) کا قول لیا جائے گا مگر جب کہ قول دیگر پر مشائخ کا اتفاق ہو جائے تو حضرات مشائخ کا اتباع ہوگا۔ جیسا کہ فقیہ ابو اللیث نے چند مسائل میں امام زفر کا قول اختیار کیا ہے۔ انتہی۔

۲۵

وقال فی رسالتہ "رفع الغشاء فی وقت العصر والعشاء" لا یرجح قول صاحبیہ او احدھما علی قولہ الا لموجب وھو اما ضعف دلیل الامام و اما للضرورۃ والتعامل کترجیح قولھما فی المزارعۃ والمعاملۃ

(۲۵) علامہ شامی اپنے رسالہ "رفع الغشاء فی وقت العصر والعشاء" میں رقم طراز ہیں، صاحبین یا ایک کے قول کو قولِ امام پر ترجیح نہ ہوگی مگر کسی مُوجِب کی وجہ سے۔ وہ یا تو دلیلِ امام کا ضعف ہے، یا ضرورت اور تعامل جیسے مزارعت و معاملت میں قول صاحبین

---

[1] شرح عقود رسم المفتی بحوالہ الحاوی القدسی رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۲۷

واما لان خلافهما له بسبب اختلاف العصر والزمان وانه لو شاهد ما وقع فی عصرهما لوافقهما کعدم القضاء بظاهر العدالة (ویوافق) ذلك ما قاله العلامة[٢٦] المحقق الشیخ قاسم فی تصحیحه فذکر ما قدمنا من کلامه فی توضیح مرامه وفیه ان الاخذ بقوله الا فی مسائل یسیرة اختار والفتوی فیها علی قولهما او قول احدهما وان کان الاٰخر مع الامام[١] اھ وھو محل استشهاده۔

کی ترجیح، یا یہ ہے کہ صاحبین کی مخالفت عصر و زمان کے اختلاف کے باعث ہے اگر امام بھی اس کا مشاہدہ کرتے جو صاحبین کے دَور میں رُو نما ہُوا تو اُن کی موافقت ہی کرتے۔ جیسے ظاہر عدالت پر فیصلہ نہ کرنے کا مسئلہ۔ اسی کے مطابق وُہ بھی ہے جو علامہ محقق شیخ قاسم نے اپنی تصحیح میں فرمایا۔ اس کے بعد ان کا وُہ کلام ذکر کیا ہے جو ہم مقصود کلام کی توضیح میں پہلے نقل کر آئے ہیں، اس میں یہ عبارت بھی ہے: ہر جگہ امام ہی کا قول لیا گیا ہے مگر صرف چند مسائل ہیں جن میں ان حضرات نے صاحبین کے قول پر، یا صاحبین میں سے کسی ایک کے قول پر۔ اگرچہ دوسرے صاحب، امام کے ساتھ ہوں۔ فتوٰی اختیار کیا ہے اھ۔ یہی حصہ یہاں علامہ شامی کا محلِ استشہاد ہے (کلامِ بالا سے مطابقت کے ثبوت میں یہی عبارت وہ پیش کرنا چاہتے ہیں)۔

اقول قد علمت[ف] ان کلام العلامة قاسم فیما یخالف فیه قولهم الصوری جمیعا فضلا عما اذا خالف احدهم

اقول یہ معلوم ہو چکا کہ علامہ قاسم کا کلام مذکور اس صورت سے متعلق ہے جو ان سبھی حضرات کے قول صوری کے برخلاف ہو، کسی ایک کے برخلاف ہونا تو درکنار ــــ

ف: معروضة علی العلامة ش۔

---

[١] شرح عقود رسم المفتی رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۲۷

وکذا کلام التاترخانیة[ف۱] فانه انما استثنٰی ما اجمع فیه المرجحون علٰی خلاف الامام ومن معه من صاحبیه ولا یوجد قط الا فی احد الوجوه الستة وح[ف۲] لا یتقید بوفاق احد من الائمة الثلثة رضی اللّٰه تعالٰی عنهم الاترٰی[ف۳] الٰی ذکر اختیار قول زفر۔

یہی حال کلام تاتارخانیہ کا بھی ہے ۔ کیوں کہ اس میں استثنا اس صورت کا ہے جس میں امام اور امام کے ساتھ صاحبین میں جو ہیں دونوں کی مخالفت پر مرجحین کا اجماع ہو — اور اس صورت کا سوا اُن چھ صورتوں کے کبھی وجود ہی نہ ہوگا۔ اس صورت کے لئے یہ قید بھی نہیں کہ تینوں ائمہ میں سے کسی ایک کے موافق ہی ہو — دیکھ لیجئے ایسی صورت میں تینوں ائمہ کو چھوڑ کر امام زفر کا قول اختیار کرنے کا ذکر گزر چکا ہے ۔

اما حدیث[ف۴] اذا صح الحدیث وضعف الدلیل[ف۵] فشامل لما یخالف الثلثة رضی اللّٰه تعالٰی عنهم الاترٰی ان الامام الطحاوی خالفهم جمیعا فی عدة مسائل منها تحریم الضب، و المحقق حیث اطلق فی تحریم حلیلة الاب والابن رضاعا، فکیف یخص الکلام بما اذا وافقه احدهما دون الاٰخر۔

اب رہا اذا صح الحدیث اور ضعیف دلیل کا معاملہ تو یہ دونوں بھی اُس صورت کو شامل ہیں جو تینوں ہی ائمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم کے خلاف ہو — دیکھئے امام طحاوی نے متعدد مسائل میں ان سبھی حضرات کی مخالفت کی ہے ان ہی میں سے حرمتِ ضب (ایک جانور) کا مسئلہ ہے — اور محقق علی الاطلاق نے رضاعی باپ اور رضاعی بیٹے کی بیوی کی حرمت میں سب کی مخالفت کی ہے۔ تو کلام اسی صورت سے خاص کیوں رکھا جائے جس میں صاحبین میں سے کوئی ایک موافقِ امام ہوں؟

ف۱: معروضة علیه

ف۲: معروضة علیه

ف۳: معروضة علیه

ف۴: معروضة علیه

ف۵: معروضة علیه

فان قلت اذا وافقاہ فلاخلاف عندنا ان المجتہد فی مذہبہم لایسعہ مخالفتہم فلاجل ہذا الاجماع یخص الحدیث بما اذا خالفہ احدہما۔

اگر یہ کہئے کہ جب صاحبین موافقِ امام ہوں تو ہمارے یہاں اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ مجتہد فی المذہب کے لئے ان حضرات کی مخالفت روا نہیں — اسی اجماع کی وجہ سے اذا صح الحدیث اور ضعف دلیل کے معاملے کو اُس صورت سے خاص رکھا جائے گا جس میں صاحبین میں سے کوئی ایک مخالفِ امام ہوں۔

قلت کذا الاخلاف فیہ عندنا اذا کان معہ احد صاحبیہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کما اعترفتم بہ تصریحا۔

تو میں کہوں گا اسی طرح ہمارے یہاں اِس بارے میں اُس صورت میں بھی کوئی اختلاف نہیں جب صاحبین میں سے کوئی ایک موافقِ امام ہوں جیسا کہ آپ نے صراحۃً اس کا اعتراف کیا۔

[الحاصل تفصیلِ بالا سے یہی ثابت ہوا کہ اذا صح الحدیث اور ضعف دلیل والی صورتوں میں مجتہد کے لئے جواز ہے کہ وہ اپنی دستیاب حدیث اور اپنی نظر میں قوی دلیل کی رُو سے تینوں ائمہ کے خلاف جا سکتا ہے۔ لیکن اس تحقیق پر یہ اعتراض ضرور پڑے گا کہ اُس کے لئے تینوں حضرات کی مخالفت کا جواز کیسے ہو سکتا ہے جبکہ علما نے بالاتفاق یہ قاعدہ رکھا ہے کہ جب تینوں ائمہ متفق ہوں یا امام کے ساتھ صاحبین میں سے کوئی ایک متفق ہوں تو ان کے اتباع سے قدم باہر نکالنے کی گنجائش نہیں — یہ اجماع مطلقاً مجتہد اور غیر مجتہد دونوں کے حق میں ہے۔ اختلاف ہے تو صرف اس صورت میں جب کہ صاحبین باہم متفق، اور امام کے مخالف ہوں — اگر وہ تحقیق درست ہے تو اِس اجماعی ممانعت کا معنی کیا ہے؟ اور اِس کھلے ہوئے تضاد کا حل کیا ہے؟ — اِسی کا حل رقم کرتے ہوئے امام احمد رضا علیہ الرحمہ آگے فرماتے ہیں ۱۲ مترجم]

فالوجہ عندی ان معنی نہی المجتہد عنہ نہی المقلد ان یتبعہ فیہ نہیا وفاقیا بخلاف

تو بہتر جواب اور حل میرے نزدیک یہ ہے کہ اس مخالفت سے مجتہد کی ممانعت کا مطلب مقلد کو اُس بارے میں مجتہدِ مخالف کی متابعت سے باز رکھنا ہے [یعنی الفاظ

13

ما اذا خالفاه فان فيه قيلا ان التخيير عام كما سبق فلأن يتبع مرجحا رجح قولهما اولى وربما يلمح اليه قول المحقق حيث اطلق في مسألة الجهر بالتأمين لوكان الي في هذا شئ لوفقت بان رواية الخفض يراد بها عدم القرع العنيف ورواية الجهر بمعنى قولها في زير الصوت وذيله¹ فلم يمتنع عن ابداء ما عن له وعلم انه لايتبع عليه فقال لو كان الي شئ، والله تعالى اعلم۔

تو یہ ہیں کہ مجتہد مخالفت نہ کرے مگر مقصود یہ ہے کہ مقلد ایسی مخالفت کی پیروی نہ کرے ۔ رہا مجتہد تو جب اس کے خیال میں ائمہ ثلاثہ کے خلاف حدیث صحیح موجود ہے، یا ان کے مذہب کے برخلاف قوی دلیل عیاں ہے تو اسے اپنے اجتہاد کو کام میں لانے اور ائمہ کے خلاف جانے سے روکا نہیں جا سکتا۔ اگر اُسے روکا گیا ہے تو اس سے مقصود مقلد ہے کہ وُہ تینوں یا ان دو اماموں کی مخالفت کی صورت میں اُس مجتہد کی پیروی نہ کرے ۱۲ مترجم] بخلاف اس صورت کے جس میں صاحبین باہم متفق اور امام کے مخالف ہوں [کہ اس میں مقلد کے لئے مجتہد مخالف کی پیروی سے بالاجماع ممانعت نہیں] کیونکہ اس صورت میں ایک قول یہ بھی ہے کہ تخییر عام ہے ــــ یعنی مجتہد وغیر مجتہد ہر ایک کو مخالفت کا اختیار ہے ــ جیسا کہ گزرا، تو اگر مقلد کسی ایسے مرجح کی پیروی کرلے جس نے قولِ صاحبین کو ترجیح دی ہو تو بدرجہ اولٰی اِس کا اُسے اختیار ہوگا۔ اِس کا کچھ اشارہ آمین بالجہر کے مسئلے میں محقق علی الاطلاق کے اِس کلام میں بھی جھلکتا ہے، وہ فرماتے ہیں: اگر اس بارے میں مجھے کچھ اختیار ہوتا تو یوں تطبیق دیتا کہ آہستہ کہنے والی روایت سے مراد یہ ہے کہ

ف : فائدہ امام محقق علی الاطلاق نے باوصف مرتبہ اجتہاد مسئلہ جہر آمین میں مخالفت مذہب کی جرأت نہ کی اور فرمایا مجھے کچھ اختیار ہوتا تو میں یوں دونوں قولوں میں اتفاق کراتا کہ نہ زور سے ہو نہ بالکل آہستہ۔ مسلمانو! انصاف، اِن اکابر کی تو یہ کیفیت، اور جاہلانِ بے تمیز کہ ان اکابر کا کلام بھی نہ سمجھ سکیں وہ امام کے مقابلہ کو تیار۔

---

¹ فتح القدیر کتاب الصلوٰۃ باب صفۃ الصلوٰۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۵۷

کرخت آواز نہ ہو اور جہر والی روایت کا معنی یہ ہے کہ آواز کے انداز اور آواز کے ذیل میں ادا کرے۔ یہاں محقق علیہ الرحمۃ اپنی رائے کے اظہار سے باز نہ رہے۔ اور انھیں معلوم تھا کہ اس بارے میں ان کی متابعت نہ ہو گی اس لئے یہ بھی فرمایا کہ "اگر مجھے کچھ اختیار ہوتا"۔ واللہ تعالٰی اعلم

ومجیئ النھی علٰی ھذا الاسلوب غیر مستنکران یتوجہ الی احد والمقصود بہ غیرہ قال تعالٰی فلا یصدنک عنہا من لایؤمن بہا[1] وقال عزوجل ولایستخفنک الذین لایوقنون[2]، ای لاتقبل صدہ ولا تنفعل باستخفافھم، واللہ تعالٰی اعلم۔

اور اس طرز پر نہی آنا کہ توجہ کسی کی جانب ہو اور مقصود کوئی اور ہو، کوئی اجنبی و نامعروف چیز نہیں ـــــ باری تعالٰی کا ارشاد ہے: "توہرگز تجھے اس کے (قیامت کے) ماننے سے وہ نہ روکے جو اس پر ایمان نہیں لاتا" ـــــ اور رب عزوجل کا فرمان ہے: "اور تمھیں سبک کردیں وہ جو یقین نہیں رکھتے" ـــــ پہلی آیت میں کلمۂ نہی ان کے لئے ہے جو ایمان نہیں رکھتے مگر "مقصود یہ ہے کہ ان کی رکاوٹ تم قبول نہ کرو"۔ اسی طرح دوسری آیت میں ہے کہ "وہ سبک نہ کریں" اور مقصود یہ ہے کہ "تم ان کے استخفاف کا اثر نہ لو"۔

وفی کتاب[27] التجنیس والمزید للامام الاجل صاحب الھدایۃ ثم ط من اوقات الصلاۃ الواجب عندی ان یفتی بقول ابی حنیفۃ علٰی کل حال[3] اھ۔

(۲۷) امام بزرگ صاحب ہدایہ کی کتاب التجنیس والمزید پھر طحطاوی اوقات الصلاۃ میں ہے: میرے نزدیک واجب یہ ہے کہ ہر حال میں امام ابوحنیفہ کے قول پر فتوٰی دیا جائے اھ۔

ف: قد ینھی زید والمقصود نھی غیرہ۔

---

[1] القرآن الکریم ۲۰/۱۶

[2] " " ۳۰/۶۰

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار بحوالہ التجنیس کتاب الصلوٰۃ المکتبۃ العربیۃ کوئٹہ ۱/۱۷۵

وفی ط منہا قد تعقب نوح[28] افندی ماذکر فی الدرمن ان الفتوٰی علی قولہما (ای فی الشفق) بانہ لایجوز[ف۱] الاعتماد علیہ لانہ لایرجح قولہما علی قولہ الا بموجب من ضعف دلیل او ضرورۃ او تعامل او اختلاف زمان[1] اھ۔

(۲۸) طحطاوی اوقات الصلاۃ میں یہ بھی ہے : درر میں جو ذکر کیا ہے کہ شفق کے بارے میں فتوٰی قولِ صاحبین پر ہے ، اس پر علامہ نوح آفندی نے یہ تعاقب کیا ہے کہ : اس پر اعتماد جائز نہیں اس لئے کہ قولِ امام پر قولِ صاحبین کو ترجیح نہیں دی جاسکتی مگر ضعفِ دلیل ، یا ضرورت ، یا تعامل ، یا اختلافِ زمان جیسے کسی مُوجب کے سبب ۔ اھ۔

وصرح[29] المحقق حیث اطلق علی المشائخ فتوٰیہم بقولہما فی مواضع من کتابہ وانہ قال لایعدل عن قولہ الا لضعف دلیلہ[2] اھ۔

(۲۹) یہ گزر چکا کہ محقق علی الاطلاق نے قولِ صاحبین پر افتا کے باعث مشائخ پر اپنی کتاب کے متعدد مقامات پر رَد کیا ہے اور انہوں نے فرمایا ہے کہ : قولِ امام سے عدول نہ ہوگا سوا اس صورت کے کہ اس کی دلیل کمزور ہو۔ اھ۔

وقد نقلہ[30] ش[31] اقرہ کالبحر

(۳۰ ـــ ۳۱) اسے علامہ شامی نے بھی بحر کی طرح نقل کیا ہے اور برقرار رکھا ہے ـــــ

اقول ولم یستثن ما سواہ لما علمت ان ذلک عین العمل بقول الامام لاعدول عنہ فمن[ف۲] استثناھا

اقول محقق علی الاطلاق نے ضعفِ دلیل کی صورت کے علاوہ اور کسی صورت کا استثنا نہ کیا اس کی وجہ معلوم ہو چکی ہے کہ اور صورتوں میں

ف۱: مسئلہ دربارۂ وقت عشا جو قول صاحبین پر بعض نے فتوٰی دیا علامہ نوح نے فرمایا اس پر اعتماد جائز نہیں۔

ف۲: توفیق نفیس من المصنف بین عبارات الائمۃ فی تقدیم قول الامام المختلفۃ ظاھرا۔

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الصلوٰۃ المکتبۃ العربیۃ کوئٹہ ۱/ ۱۷۵

[2] شرح عقود رسم المفتی رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۲۴

كالخانية والتصحيح وجامع الفصولين والبحر والخير ورفع الغشاء ونوح وغيرهم نظر الى الصورة ومن ترك نظر الى المعنى فان استثنى ضعف الدليل كالمحقق فنظره الى المجتهد وان لم يستثن شيئاً كالامام صاحب الهداية والامام الاقدم عبد الله بن المبارك فقوله ماش على اساله فى حق المقلد.

دراصل بعینہ قولِ امام پر عمل ہے جس سے عدول نہیں ہوسکتا — تو جن حضرات نے استثنا کیا ہے، جیسے خانیہ، تصحیح، جامع الفصولین، بحر، خیر، رفع الغشا، علامہ نوح وغیرہم — انھوں نے ظاہری صورت پر نظر کی ہے — اور جنھوں نے استثنار نہیں کیا ہے انھوں نے معنی کا لحاظ کیا ہے — پھر اگر ضعفِ دلیل کا استثنا کردیا — جیسے محقق علی الاطلاق نے — تو اس میں مجتہد کا اعتبار کیا ہے — اور اگر کچھ بھی استثنا نہ کیا — جیسے امام صاحبِ ہدایہ اور امام اقدم عبد اللہ بن مبارک — تو یہ مقلد کے حق میں حکمِ اطلاق پر جاری ہے۔

فظهر ولله الحمد ان الكل انما يرمون عن قوس واحدة ويرمون جميعا ان المقلد ليس له الا اتباع الامام فى قوله الصورى ان لم يخالفه قوله الضرورى والا ففى الضرورى.

بحمدہ تعالیٰ اس تفصیل و تطبیق سے روشن ہوا کہ سبھی حضرات ایک ہی کمان سے نشانہ لگا رہے ہیں اور سب کا یہ مقصود ہے کہ مقلد کے لئے صرف اتباعِ امام کا حکم ہے۔ یہ اتباع امام کے قولِ صوری کا ہوگا اگر قولِ ضروری اس کے خلاف نہ ہو، ورنہ قولِ ضروری کا اتباع ہوگا۔

وفى شرح[32] العقود رأيت فى بعض[33] كتب المتأخرين نقلا عن ايضاح[34] الاستدلال على ابطال الاستبدال لقاضى القضاة شمس الدين الحريرى احد شراح الهداية ان صدر[35] الدين سليمن قال ان هذه الفتاوى هى اختيارات المشائخ فلا تعارض كتب المذهب.

(۳۲ — ۳۶) شرح[32] عقود میں ہے: میں نے بعض[33] کتبِ متاخرین میں قاضی القضاۃ شمس الدین حریری شارحِ ہدایہ کی کتاب ایضاح[34] الاستدلال علی ابطال الاستبدال سے منقول یہ دیکھا کہ صدر الدین[35] سلیمان نے فرمایا: "ان فتاوی کی حیثیت یہی ہے کہ یہ مشائخ کی ترجیحات اور ان کے اختیار کردہ اقوال و احکام ہیں تو یہ کتبِ مذہب کے مقابل نہیں ہوسکتے۔"

قال[36] وکذا کان یقول غیرہ من مشائخنا وبہ اقول[1] اھ۔

فرماتے ہیں کہ یہی بات ہمارے دوسرے[36] شیوخ بھی فرماتے تھے اور میں بھی اسی کا قائل ہوں۔ اھ۔

وتقدم قول الخیریۃ[37] ثم ش[38] المقرر عندنا انہ لایفتی ولا یعمل الابقول الامام الاعظم الا لضرورۃ وان صرح المشائخ ان الفتوی علی قولھما[2] اھ۔

(۳۷ـ۳۸) خیریہ[37] پھر شامی[38] کا کلام گزر چکا کہ ہمارے نزدیک مقرر اور طے شدہ یہی ہے کہ صورت ضرورت کے سوا فتوٰی اور عمل امام اعظم ہی کے قول پر ہوگا ــ اگرچہ مشائخ تصریح فرمائیں کہ فتوٰی صاحبین کے قول پر ہے "اھ۔

وایضا قول البحر[39] ثم ش[40] یجب الافتاء بقول الامام وان لم یعلم من این قال[3] اھ۔

(۳۹ـ۴۰) بحر[39] پھر شامی[40] کا یہ کلام بھی گزر چکا کہ "قولِ امام پر ہی افتا واجب ہے اگرچہ یہ معلوم نہ ہو کہ ان کا ماخذ اور دلیل کیا ہے" اھ۔

وفی رد[41] المحتار قد قال فی البحر[42] لایعدل عن قول الامام الی قولھما اوقول احدھما الا لضرورۃ من ضعف دلیل اوتعامل بخلافہ کالمزارعۃ وان صرح المشائخ بان الفتوی علی قولھما[4] اھ وھکذا اقرہ فی منحۃ الخالق[43]۔

(۴۱ـ۴۳) ردالمحتار[41] میں بحر[42] سے نقل ہے: "قولِ امام سے قولِ صاحبین کی جانب ــ ضعف دلیل یا قولِ امام کے خلاف صورتِ مزارعت جیسے تعامل کی ضرورت کے سوا ــ عدول نہ ہوگا اگرچہ مشائخ کی صراحت یہ ہو کہ فتوٰی صاحبین کے قول پر ہے اھ" ــ علامہ شامی نے منحۃ الخالق[43] میں بھی اس کلامِ بحر کو اسی طرح برقرار رکھا ہے۔

---

[1] شرح عقود رسم المفتی رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۳۶

[2] ردالمحتار مطلب اذا تعارض التصحیح داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۹

الفتاوی الخیریۃ کتاب الشہادات دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۳۳

[3] البحرالرائق کتاب القضاء فصل یجوز تقلید من شاء الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۲۶۹

ردالمحتار مطلب اذا تعارض التصحیح داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۹

[4] ردالمحتار کتاب الصلوۃ 〃 〃 〃 〃 〃 ۱/ ۲۴۰

وفیہ[44] من النکاح قبیل الولی فی مسألۃ دعوی النکاح منہ اومنھا ببینۃ الزور وقضاء القاضی بھا عند قول الدر تحل لہ خلافا لھما وفی الشرنبلالیۃ عن المواھب وبقولھما یفتی[1] ما نصہ " قال الکمال قول الامام اَوجَہ، قلت وحیث کان الاوجہ فلا یعدل عنہ لما تقرر انہ لا یعدل عن قول الامام الا لضرورۃ او ضعف دلیلہ کما اوضحناہ فی منظومۃ رسم المفتی وشرحھا اھ[2]۔

(۴۴) درمختار کتاب النکاح میں باب الولی سے ذرا پہلے یہ مسئلہ ہے کہ مرد یا عورت نے دعوٰی کیا کہ اس سے میرا نکاح ہوچکا ہے اس دعوے پر جھوٹے گواہ بھی پیش کر دئے اور قاضی نے ثبوتِ نکاح کا فیصلہ بھی کردیا تو عورت اس مرد کے لئے حلال ہوجائے گی اور صاحبین کے قول پر حلال نہ ہوگی۔ شرنبلالیہ میں مواہب کے حوالے سے یہ لکھا ہے کہ صاحبین ہی کے قول پر فتوٰی ہے۔ اس کے تحت ردالمحتار[2] میں یہ کلام ہے، کمال نے فرمایا، قولِ امام اَوجَہ ہے (بہتر وبادلیل ہے)۔ میں کہتا ہوں جب قولِ امام اَوجَہ ہے تو اس سے عدول نہ کیا جائے گا کیونکہ یہ امر طے شدہ ہے کہ ضرورت یا قولِ امام کی دلیل ضعیف ہونے کے سوا اور کسی حال میں قولِ امام سے عدول نہ ہوگا جیسا کہ منظومہ رسم المفتی اور اس کی شرح میں ہم واضح کرچکے ہیں اھ۔

وفیہ[45] من ھبۃ المشاع حیث علمت انہ ظاھر الروایۃ ونص علیہ محمد ورووہ عن ابی حنیفۃ ظھر انہ الذی علیہ العمل وان صرح بان المفتی بہ خلافہ اھ[3]۔

(۴۵) اسی (ردالمحتار) میں ہبۂ مُشاع کے بیان میں ہے: جب یہ معلوم ہوگیا کہ یہی ظاہر الروایہ ہے، اسی پر امام محمد کا نص ہے اور اسی کو ان حضرات نے امام ابوحنیفہ سے روایت کیا ہے تو ظاہر ہوگیا کہ عمل اسی پر ہوگا اگرچہ یہ صراحت کی گئی ہو کہ مُفتٰی بہ اس کے خلاف ہے اھ۔

ھذہ نصوص العلماء رحمھم اللہ

یہ ہیں علماء کے نصوص اور ان کی تصریحات

---

[1] الدرالمختار کتاب النکاح فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۰
[2] ردالمحتار کتاب النکاح فصل فی المحرمات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۹۴
[3] ردالمحتار کتاب الہبہ " " " ۴/ ۵۱۱

تعالیٰ ورحمنا بهم وهي كما ترى كلها موافقة لما في البحر ولم يتعقبه فيما علمت الاعالمان متأخران كل منهما عاب وأب وانكر واقر وفارق ورافق وخالف ووافق وهما العلامة خير الرملي والسيد الشامي رحمهما الله تعالیٰ ولا عبرة بقولٍ مضطرب۔

اللہ تعالیٰ ان پر رحمت نازل فرمائے اور ان کے طفیل ہم پر بھی رحمت فرمائے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ تمام نصوص کلام بحر کے موافق ہیں اور میرے علم میں کسی نے بھی اس پر کوئی تعاقب نہ کیا، سوا دو متأخر عالموں کے، دونوں حضرات میں سے ہر ایک نے عیب بھی لگایا اور رجوع بھی کیا۔ انکار بھی کیا اور اقرار بھی — مفارقت بھی کی اور موافقت بھی — مخالفت بھی اور موافقت بھی — یہ ہیں علامہ خیر الدین رملی اور سید امین الدین شامی رحمہما اللہ تعالیٰ — اور کسی مضطرب کلام کا یوں ہی کوئی اعتبار نہیں۔

وقد علمت ان لا نزاع في سبع صور انما ورد خلاف ضعيف في الثامن وهي ما اذا خالفه صاحباه متوافقين على قول واحد ولم يتفق المرجحون على ترجيح شيء منهما فعند ذلك جاء قيل ضعيف مجهول القائل بل مشكوك الثبوت "ان المقلد يتبع ما شاء منهما" و الصحيح المشهور المعتمد المنصور "انه لا يتبع الا قول الامام" والقولان كما ترى مطلقان مرسلان لا نظر في شيء منهما لترجيح

یہ بھی معلوم ہو چکا کہ اس مسئلہ کی سات صورتوں میں کوئی نزاع نہیں — ایک ضعیف اختلاف صرف آٹھویں صورت میں آیا ہے۔ وہ صورت یہ ہے کہ صاحبین باہم ایک قول پر متفق ہوتے ہوئے امام کے خلاف ہوں اور مرجحین دونوں قولوں میں سے کسی کی ترجیح پر متفق نہ ہوں، بس اسی صورت میں ایک ضعیف قول آیا ہے جس کے قائل کا پتا نہیں، بلکہ اس کے وجود میں بھی شبہہ ہے، وہ قول یہ ہے کہ مقلد دونوں میں سے جس کی چاہے پیروی کرے — صحیح مشہور معتمد منصور قول یہ ہے کہ مقلد قولِ امام کے سوا کسی کی پیروی نہ کرے — یہ دونوں قول جیسا کہ آپ کے سامنے ہے، مطلق اور ہر طرح کی قید سے آزاد ہیں۔ کسی میں ترجیح یا عدم ترجیح کا

او عدمہ۔

کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا ہے [ضعیف میں مطلقاً اختیار دیا گیا ہے اور صحیح میں مطلقاً پابندِ امام رکھا گیا ہے]

لکن المحقق الشامی اختار لنفسه مسلکا جدیدا لا اعلم له فیه سندا سدیدا وھو ان المقلد لا له التخییر ولا علیه التقیید بتقلید الامام بل علیه ان یتبع المرجحین۔

لیکن محقق شامی نے اپنے لئے ایک نیا مسلک اختیار کیا ہے جس کی کوئی صحیح سند میرے علم میں نہیں۔ وہ مسلک یہ ہے کہ مقلد کو نہ اختیار ہے نہ تقلید امام کی پابندی بلکہ اس پر یہ ہے کہ مرجحین کی پیروی کرے۔

قال فی صدر رد المحتار قول السراجیة الاول اصح اذا لم یکن المفتی مجتھدا فھو صریح فی ان المجتھد یعنی من کان اھلاً للنظر فی الدلیل یتبع من الاقوال ما کان اقوی دلیلا والا اتبع الترتیب السابق وعن ھذا تراھم قد یرجحون قول بعض اصحابه علی قوله کما رجحوا قول زفر وحده فی سبع عشرة مسألة فنتبع ما رجحوه لانھم اھل النظر فی الدلیل اھ۔

رد المحتار کے شروع میں لکھتے ہیں، سراجیہ کی عبارت "اول اصح ہے جب کہ وہ صاحبِ اجتہاد نہ ہو"۔ اس بارے میں صریح ہے کہ مجتہد یعنی وہ جو دلیل میں نظر کا اہل ہو، اس قول کی پیروی کرے گا جس کی دلیل زیادہ قوی ہو ورنہ ترتیب سابق کا اتباع کرے گا۔ اسی لئے دیکھتے ہو کہ مرجحین بعض اوقات امام صاحب کے کسی شاگرد کے قول کو ان کے قول پر ترجیح دیتے ہیں جیسے سترہ[1] مسائل میں تنہا امام زفر کے قول کو ترجیح دی ہے تو ہم اسی کی پیروی کریں گے جسے ان حضرات نے ترجیح دے دی کیوں کہ وہ دلیل میں نظر کے اہل تھے۔ اھ۔

وقال فی قضائه لا یجوز له مخالفة الترتیب المذکور

اور رد المحتار کتاب القضاء میں لکھا: اس کے لئے ترتیب مذکور کی مخالفت جائز نہیں

---

[1] رد المحتار مطلب رسم المفتی دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۴۸

الا اذا کان لہ ملکۃ یقتدر بھا
علی الاطلاع علی قوۃ المدرک
وبھذا رجع القول الاول الی ما
فی الحاوی من ان العبرۃ فی
المفتی المجتہد لقوۃ المدرک نعم فیہ
زیادۃ تفصیل سکت عنہ الحاوی
فقد اتفق القولان علی ان الاصح
ھو ان المجتہد فی المذھب من
المشائخ الذین ھم اصحاب الترجیح
لایلزمہ الاخذ بقول الامام علی الاطلاق
بل علیہ النظر فی الدلیل وترجیح ما
رجح عندہ دلیلہ ونحن نتبع مارجحوہ
واعتمدوہ کما لوافتوا فی حیاتھم
کما حققہ الشارح فی اول الکتاب نقلا
عن العلامۃ قاسم و یأتی قریبا
عن الملتقط انہ ان لم یکن
مجتہدا فعلیہ تقلیدھم
واتباع رأیھم فاذا قضی بخلافہ
لاینفذ حکمہ، وفی فتاوی
ابن الشلبی لایعدل عن قول
الامام الا اذا صرح احد من
المشائخ بان الفتوی علی قول غیرہ
وبھذا سقط ما بحثہ فی
البحر من ان علینا الافتاء بقول
الامام وان افتی المشائخ

مگر جب کہ اسے ایسا ملکہ ہو جس سے قوتِ دلیل
پر وہ آگاہ ہونے کی قدرت رکھتا ہو — اسی سے
پہلے قول کا مآل وہی ٹھہرا جو حاوی میں ہے کہ
صاحبِ اجتہاد مفتی کے حق میں قوتِ دلیل کا
اعتبار ہے۔ ہاں اس میں کچھ مزید تفصیل ہے
جس سے حاوی نے سکوت اختیار کیا۔ تو دونوں
قول اس پر متفق ہو گئے کہ اصحابِ ترجیح مشایخ
میں سے مجتہد فی المذہب پر مطلقاً قولِ امام
لینا ضروری نہیں بلکہ اس کے ذمہ یہ ہے کہ دلیل
میں نظر کرے اور جس قول کی دلیل اس کے نزدیک
راجح ہو اسے ترجیح دے۔ اور ہمیں اس کی پیروی
کرنا ہے جسے ان حضرات نے ترجیح دے دی اور
جس پر اعتماد کیا جیسے وہ اگر اپنی حیات میں کہیں
فتوے دیتے تو یہی ہوتا جیسا کہ شروع کتاب میں
علامہ قاسم سے نقل کرتے ہوئے شارح نے اس
کی تحقیق کی ہے — اور آگے ملتقط کے حوالے سے
آرہا ہے کہ اگر قاضی صاحبِ اجتہاد نہ ہو تو اسے
مرجحین کی تقلید اور ان کی رائے کا اتباع کرنا ہے
اس کے خلاف فیصلہ کرے تو نافذ نہ ہوگا — اور
فتاوی ابن الشلبی میں ہے کہ قولِ امام سے
عدول نہ ہوگا مگر اس صورت میں جب کہ مشائخ
میں سے کسی نے یہ تصریح کر دی ہو کہ فتوی کسی اور
کے قول پر ہے۔ اسی سے بحر کی یہ بحث ساقط
ہو جاتی ہے کہ ہمیں قولِ امام پر ہی فتوی دینا
ہے اگرچہ مشایخ نے اس کے خلاف

بخلافه[1] اھ۔

اقول اولا[ف۱] ھذا کما تری قول مستحدث۔

ثانیا[ف۲] زاد احداثا باتباع الترجیح المخالف لاجماع ائمتنا الثلثة رضی اللہ تعالٰی عنھم وقد سمعت صرائح النصوص علی خلافه، نعم نتبع القول الضروری حیث کان وجد مع ترجیح اولا بل ولو وجد الترجیح بخلافه کما علمت، فلیس الاتباع فیه للترجیح بل لقول الامام۔

وثالثا[ف۳] فیه ذھول عن محل النزاع کما علمت تحریرہ بل فوق ذلك[ف۴] لان ما خالف فیه صاحباہ ینقسم الان الی ستة

فتوٰی دیا ہو۔ اھ۔

اقول، اولاً یہ جیسا آپ دیکھ رہے ہیں ایک نیا قول ہے۔

ثانیاً مزید نئی بات یہ بڑھائی کہ اس ترجیح کا بھی اتباع کرنا ہے جو ہمارے تینوں ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے اجماع کے برخلاف ہو ــــ حالاں کہ صریح نصوص اس کے خلاف ہیں، جیسا کہ ملاحظہ کر چکے۔ ہاں قول ضروری کا ہم اتباع کریں گے جہاں امام کا قول ضروری ہو، خواہ اس کے ساتھ ترجیح ہو یا نہ ہو، بلکہ ترجیح اس کے برخلاف ہو جب بھی ــــ جیسا کہ معلوم ہوا ــــ تو اس میں ترجیح کی پیروی نہیں بلکہ قولِ امام کی ہے۔

ثالثاً محلِ نزاع جس کی پوری وضاحت آپ کے سامنے گزری یہاں اس سے بھی ذہول ہے بلکہ اور بھی زیادہ ہے۔ اس لئے کہ [محلِ نزاع صرف وہ صورت ہے] جس میں صاحبین [باہم ایک قول پر متفق ہونے کے ساتھ] امام کے

ف۱: معروضة علی العلامة ش۔
ف۲: معروضة علیه۔
ف۳: معروضة علیه۔
ف۴: معروضة علیه۔

---

[1] ردالمحتار کتاب القضاء مطلب یفتی بقول الامام علی الاطلاق دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۲

اقسام اما یتفق المرجحون علی ترجیح قوله او قولهما او یکون ارجح الترجیحین لکثرة المرجحین او قوة لفظ الترجیح له او لهما او یتساویان فیه او فی عدمه، ولا یستاهل لخلاف السید الا الرابع ان یکون ارجح الترجیحین لهما فاذن هو عاشر عشرة و قد تعدی الی ما هو اعم من المقسم ایضا وهو اتباع الترجیح سواء خالفه صاحباه او احدهما او لا احد۔

مخالف ہوں اب اس کی چھ[1] قسمیں ہوں گی : (۱) مرجحین قولِ امام کی ترجیح پر متفق ہوں (۲) یا قولِ صاحبین کی ترجیح پر [گزر چکا کہ یہ صورت نہ کبھی ہوئی نہ ہوگی] (۳) مرجحین کی کثرت یا لفظ ترجیح کی قوت کے باعث دونوں ترجیحوں سے ارجح، قولِ امام کے حق میں ہو (۴) یا قولِ صاحبین کے حق میں ہو (۵) دونوں قول ترجیح میں برابر ہوں (۶) یا عدم ترجیح میں برابر ہوں ـــــ ان میں سے علامہ شامی کے اختلاف کے قابل صرف چوتھی قسم ہے وہ یہ کہ دونوں ترجیحوں میں سے ارجح، قول صاحبین کے حق میں ہو ـــ مگر اب یہ دس قسموں میں سے دسویں قسم بن جاتی ہے[1] اور اس حد تک تعدی ہوجاتی ہے جو مقسم سے بھی اعم ہے وہ یہ کہ بہرحال ترجیح کی پیروی ہوگی خواہ مخالفِ امام دونوں حضرات ہوں یا ایک ہی ہوں، یا کوئی بھی مخالف نہ ہو۔

ورابعا ان کان لهذا القول المحدث اثر فی الزبرکان قول التقیید بتقلید الامام مرجحا علیه وواجب الاتباع بوجوه :

رابعًا بالفرض اس نو پیدا قول کا کتابوں میں کوئی نام ونشان ہوجب بھی تقلیدِ امام کی پابندی والا قول اس پر ترجیح یافتہ اور واجب الاتباع ہوگا۔ اس کی چند وجہیں ہیں :

---

[1] وہ اس طرح کہ امام کے مخالف صاحبین ہیں یا ایک یا کوئی نہیں (۱ - ۲) اور ترجیح یا عدمِ ترجیح میں سب برابر ہیں (۳) اتفاق قولِ امام کی ترجیح پر ہے (۴) قولِ صاحبین پر (۵) ایک صاحب کے قول پر (۶) اس پر جو کسی کا قول نہیں۔ ۴ تا ۶ کبھی واقع ہوئیں نہ ہوں گی ـــ (۷) ارجحِ ترجیحات قولِ امام کے حق میں ہے (۸) قولِ صاحبین کے حق میں (۹) ایک صاحب کے حق میں (۱۰) اس کے حق میں جو کسی کا قول نہیں ۱۲ محمد احمد مصباحی

الاول انہ قول صاحب الامام الاعظم بحر العلم امام الفقہاء والمحدثین والاولیاء سیدنا عبداللہ بن المبارک رضی اللہ تعالٰی عنہ و نفعنا ببرکاتہ العظیمۃ فی الدین والدنیا و الاٰخرۃ فقد قال فی الحاوی القدسی و نقلتموہ انتم فی شرح العقود متی لم یوجد فی المسألۃ عن ابی حنیفۃ روایۃ یؤخذ بظاھر قول ابی یوسف ثم بظاھر قول محمد ثم بظاھر قول زفر والحسن وغیرھم الاکبر فالاکبر الٰی اٰخر من کان من کبار الاصحاب[1] اھ۔

وجہ اول: یہ امام اعظم کے شاگرد، بحر علم، فقہا، محدثین اور اولیا کے امام سیدنا عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول ہے، خدا ہمیں دین، دنیا اور آخرت میں ان کی عظیم برکتوں سے فائدہ پہنچائے۔ حاوی قدسی میں ہے ــــ اور آپ نے شرح عقود میں اسے نقل بھی فرمایا ہے کہ جب مسئلہ میں امام ابو حنیفہ سے کوئی روایت نہ ملے تو ظاہر قول امام ابو یوسف، پھر ظاہر قول امام محمد، پھر ظاہر قول امام زفر و حسن وغیرہم لیا جائے گا [ظاہر سے مراد وہ جو ظاہر الروایہ میں ہو جیسا کہ حاشیۂ مصنف میں گزرا ۱۲ م] بزرگ تر پھر بزرگ تر، یوں ہی کبار اصحاب کے آخری فرد تک۔ اھ۔

الثانی علیہ الجمہور والعمل بما علیہ الاکثر کما صرحتم بہ

وجہ دوم: اسی پر جمہور ہیں ــــ اور عمل اسی پر ہوتا ہے جس پر اکثر ہوں۔ جیسا کہ آپ نے

ف۱: معروضۃ علیہ۔

ف۲: مسئلہ جب کسی مسئلہ میں امام کا قول نہ ملے امام ابو یوسف کے قول پر عمل ہو، اُن کے بعد امام محمد، پھر امام زفر، پھر امام حسن بن زیاد وغیرہم مثل امام عبداللہ بن مبارک و امام اسد بن عمرو و امام زاہد و لیث بن سعد و امام عارف داؤد طائی وغیرہم اکابر اصحاب امام رضی اللہ تعالٰی عنہ وعنہم کے اقوال پر عمل ہو۔

ف۳: معروضۃ علیہ۔

ف۴: العمل بما فیہ الاکثر۔

---

[1] شرح عقود رسم المفتی رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۲۶

[2] رد المحتار باب المیاہ فصل فی البئر داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۵۱

فی ردالمحتار والعقود الدریة واکثرنا النصوص علیه فی فتاوٰنا وفی فصل القضاء فی رسم الافتاء۔

خود ردالمحتار اور العقود الدریہ میں اس کی تصریح کی ہے اور ہم نے اس پر اپنے فتاوٰی میں اور فصل القضاء فی رسم الافتاء میں بکثرت نصوص جمع کردئے ہیں۔

الثالثف هو الذی تواردت علیه التصحیحات واتفقت علیه الترجیحات فان وجب اتباعها وجب القول بوجوب تقلید الامام وان خالفاه مطلقا وان لم یجب سقط البحث راسا فانما کان النزاع فی وجوب اتباع الترجیحات فظهر ان نفس النزاع یهدم النزاع وای شیئ اعجب منه۔

وجہ سوم: یہی وہ قول ہے جس پر تصحیحات کا توارُد اور ترجیحات کا اتفاق ہے۔ تو اگر ترجیحات کا اتباع واجب ہے تو اس کا قائل ہونا بھی واجب ہے کہ امام کی تقلید ضروری ہے اگرچہ صاحبین مطلقًا ان کے مخالف ہوں۔ اور اگر اتباع ترجیحات واجب نہیں تو سرے سے بحث ہی ساقط ہوگئی، کیونکہ یہ سارا اختلاف ترجیحات کا اتباع واجب ہونے ہی کے بارے میں تھا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ خود نزاع ہی نزاع کو ختم کردیتا ہے۔ اس سے زیادہ عجیب بات کیا ہوگی؟

خامسًا السید المحقق من الذین زعموا ان العامی لامذهب له وان له ان یقلد من شاء فیما شاء وقد قال فی قضاء المنحة فی نفس هذا المبحث نعم ماذکره المؤلف یظهر بناء علی القول بان من التزم مذهب الامام لا یحل له تقلید

خامسًا سید محقق ان لوگوں میں سے ہیں جن کا خیال یہ ہے کہ عامی کا کوئی مذہب نہیں اور وہ جس بات میں چاہے جس کی چاہے تقلید کرسکتا ہے۔ منحۃ الخالق کی کتاب القضاء میں خود اسی بحث کے تحت لکھتے ہیں: ہاں مؤلف نے جو ذکر کیا ہے اِس قول کی بنیاد پر ظاہر ہے کہ جس نے مذہبِ امام کا التزام کرلیا اس کے لئے دوسرے کی تقلید جن باتوں پر وہ عمل کرچکا ہے

ف: معروضة علیه۔

غیرہ فی غیر ماعمل بہ وقد علمت ماقدمناہ عن التحریر انہ خلاف المختار[۱] اھ۔

ان کے علاوہ میں بھی جائز نہیں۔ اور تمھیں معلوم ہے کہ تحریر کے حوالے سے ہم لکھ آئے ہیں کہ یہ قولِ مختار کے برخلاف ہے اھ۔

اقول وھذا[ف۱] وان کان قیلا باطلا مغسولا قد صرح ببطلانہ کبار الائمۃ الناصحین، وصنف فی ابطالہ زبر فی الاولین والأخرین، وقد حدثت منہ فتنۃ عظیمۃ فی الدین من جھۃ الوھابیۃ الغیر المقلدین، واللہ لایصلح عمل المفسدین۔

اقول یہ اگرچہ ایک باطل و پامال قول تھا، بزرگ، ناصح وخیرخواہ ائمہ نے اس کے بطلان کی تصریح بھی فرما دی ہے اور اس کے ابطال کے لئے اولین وآخرین میں متعدد کتابیں تصنیف ہوئی ہیں، اس کی وجہ سے وہابیہ غیر مقلدین کی جانب سے دین میں عظیم فتنہ بھی پیدا ہوا ہے اور خدا مفسدوں کا کام نہیں بناتا۔

ولعمری ھؤلاء[ف۲] المبیحون من

یہ جائز کہنے والے علما۔ خدائے تعالٰی ان

ف۱: **مسئلہ** تقلید شخصی واجب ہے اور یہ بات کہ جس مسئلہ میں جس مذہب پر چاہو عمل کرو باطل ہے، اکابر ائمہ نے اس کے باطل ہونے کی تصریح فرمائی اس کے سبب غیر مقلد وہابیوں کا دین میں ایک بڑا فتنہ پیدا ہوا۔

ف۲: **ترجمہ فائدہ جلیلہ**: بعض علما بحث کی جگہ لکھ تو گئے ہیں کہ آدمی جس قول پر چاہے عمل کرے مگر یہ بحث ہی تک کہنے کی بات ہے، دل ان کے بھی اسے پسند نہیں کرتے بلکہ برا جانتے ہیں جا بجا جس کسی مسئلہ میں بے قیدی عوام کا اندیشہ سمجھتے ہیں صاف فرما دیتے ہیں کہ اسے عوام پر ظاہر نہ کیا جائے کہ وہ مذہب کے گرانے پر جرأت نہ کریں، پھر یہی علماء عمر بھر اپنے کو حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی کہتے کہلاتے رہے۔ کبھی مذہب سے بے قیدی نہ برتی۔ عمریں اپنے اپنے مذہب کی تائید میں صرف کیں اور اس میں بڑے بڑے دفتر تصنیف ہوئے اور تمام علماء امت نے اس پر اجماع کیا بلکہ اپنے مذہب کی تائید میں مناظرہ تو زمانہ صحابہ کرام سے چلا آتا ہے۔ اگر مذہب کوئی چیز نہ ہوتا اور آدمی کو عمل کے لئے سب برابر ہوتے تو یہ سب کچھ مناظرے اور ہزارہا کتابیں اور ائمہ واکابر کی عمروں کی کارروائیاں سب لغو وفضول میں وقت وعمر ومال برباد کرنا ہوتا اس سے بدتر کون سی شناعت ہے۔

---

[۱] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب القضاء فصل یجوز تقلید من شاء الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۲۶۹

العلماء غفر الله تعالیٰ لنا بهم ان سبرتهم
واختبرتهم لوجدت قلوبهم عه أبية
عما يقولون، وصنيعهم شاهدا انهم
لا يحبونه ولا يريدون، ولا يجتنبونه
بل يحتنبون، ويقولون في
مسائل هذه تعلم و تكتم
كيلا يتجاسر الجهال على
هدم المذهب، ثم طول
اعمارهم يتمذهبون
لاماهم ولا يخرجون
عن المذهب في افعالهم
واقوالهم، و يصرفون
العمر في الانتصار له والذب
عنه وهذا فتح القدير
لصاحب التحرير ما صنف الا جدلا
وكذلك في مذهبنا و

کے سبب ہماری مغفرت فرمائے — بخدا اگر ان کو
جانچا اور آزمایا جائے تو ان کے قلوب ان کے قول
سے منکر، اور ان کے اعمال اس پر شاہد ملیں گے
کہ وہ اسے نہ پسند کرتے ہیں نہ اس کا ارادہ رکھتے
ہیں اور وُہ اسے اچھا نہیں جانتے بلکہ اس سے
کنارہ کش رہتے ہیں — [بس بحث کے طور پر اسے
لکھ گئے اور بحث ہی تک بات رہ گئی اعتقاد و عمل
کوئی اس کا ہم نوا نہ ہوا] بہت سے مسائل میں
خود کہتے ہیں کہ یہ بس جاننے کے قابل ہیں بتانے کے
لائق نہیں کہیں جاہلوں میں مذہب کے گرانے کی
جرأت نہ پیدا ہو — پھر یہ زندگی بھر اپنے ایک
امام کے مذہب پر رہ گئے اور افعال و اقوال میں
بھی مذہب سے باہر نہ ہوئے۔ اسی کی تائید
اور اسی کے دفاع میں عمریں صرف کر دیں۔ یہ
صاحبِ تحریر کی فتح القدیر ہی کو دیکھ لیجئے صرف
مناظرہ کے طور پر لکھی گئی ہے۔ اسی طرح ہمارے

عه اقول والوجه فيه ان للشئ حكما
في نفسه مع قطع النظر عن الخارج
وحكما بالنظر الى ما يعرضه
عن خارج فالاول هو البحث و
والثاني عليه العمل لوجوب التحرز
عن المفاسد وان لم يكن انبعاثها عن
نفس ذات الشئ كما لا يخفى اهـ
١٢ منه غفر له۔

عه اقول اس کا سبب یہ ہے کہ کسی شے کا ایک حکم تو
اس کی نفس ذات کے اعتبار سے ہوتا ہے جس
میں خارج سے قطع نظر ہوتی ہے، اور ایک حکم اُن
باتوں کے سبب ہوتا ہے جو خارج سے پیش آتی
ہیں، تو ان علما نے جو بحث میں فرمایا وہ پہلا حکم ہے
اور جس پر عمل رکھا وہ دوسرا کہ مفسدوں سے بچنا
واجب ہے اگرچہ وُہ شے کی نفس ذات سے پیدا
نہ ہوں۔ جیسا کہ مخفی نہیں اھ ۱۲ منہ غفرلہ۔

المذهب الثلثة الباقية دفاتر ضخام في هذا المرام فلو لا لا التمذهب لامام بعينه لازما وكان يسوغ ان يتبع من شاء ما شاء لكان هذا كله اضاعة عمر في فضول واشتغالا بما لا يعنى وقد اجمع عليه علماء المذاهب الاربعة واهلها هم الائمة بل المناظرة في الفروع وذب كل ذاهب عما ذهب اليه جارية من لدن الصحابة رضي الله تعالٰى عنهم بدون نكير فاذن يكون الاجماع العملي على الاهتمام بما لا يعنى واستحسان الاشتغال بالفضول و اى شناعة اشنع منه۔

لكن[1] سل السيد اذا لم يجب التقيد بالمذهب وجاز الخروج عنه بالكلية فمن ذا الذي اوجب اتباع مرجحين في مذهب معين رجحوا احد قولين فيه۔

هذا اذا اتفقوا فكيف[2] وقد اختلفوا وفي احد الجانبين الامام الاعظم المجتهد

مسلک میں اور باقی تینوں مذاہب میں اس مقصد کے تحت بڑے بڑے دفتر تصنیف ہوئے۔

اگر ایک امام معین کے مذہب کی پابندی لازم نہ ہوتی اور یہ روا ہوتا کہ جو چاہے جس کی چاہے پیروی کرے تو یہ سب ایک لایعنی کارروائی اور فضول چیز میں عمر عزیز کی بربادی ہوتی حالاں کہ اس کام پر مذاہب اربعہ کے علماء اور ان مذاہب کے ماننے والے ان ہی ائمہ کا اتفاق ہے بلکہ فروع میں مناظرہ اور اپنے اپنے مذہب کی حمایت تو زمانۂ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ہی بلانکیر جاری ہے مذہب کی پابندی کوئی چیز نہ ہو تو لازم آئے گا کہ ایک لایعنی کام کے اہتمام اور فضول قسم کی مشغولیت کو اچھا سمجھنے پر اس وقت سے اب تک کے ائمہ و علماء کا عملی اجماع قائم رہا، اس سے بدتر کون سی شناعت ہوگی؟

لیکن علامہ شامی سے سوال ہو سکتا ہے کہ جب مذہب کی پابندی ضروری نہیں اور اس سے بالکلیہ باہر آنا روا ہے تو کسی معین مذہب کے حضرات مرجحین جنھوں نے اس مذہب کے دو[2] قولوں میں سے ایک کو ترجیح دی، ان کی پیروی کیسے ضروری ہوگئی؟

یہ کلام تو ان حضرات کے متفق ہونے کی صورت میں ہے۔ پھر اس صورت کا کیا حال ہوگا جب یہ باہم مختلف ہوں اور ایک طرف

ف۱: معروضه على العلامة ش۔

ف۲: معروضه عليه۔

14

المطلق الذی لم یلحقوا غبارہ و لم یبلغ مجموعھم عشر فضلہ ولا معشارہ ھل ھذا الاجمعا بین الضب والنون اذ حاصلہ ان الامام واصحابہ واصحاب الترجیح فی مذھبہ اذا اجمعوا کلھم اجمعون علی قول لم یجب علی المقلدین الاخذ بہ بل یأخذون بہ او بما تھوی انفسھم من قیلات خارجۃ عن المذھب لکن اذا قال الامام قولا وخالفہ صاحباہ ورجح مرجحون کلا من القولین وکان الترجیح فی جانب الصاحبین اکثر ذاھبا او اکد لفظا فح یجب تقلید ھؤلاء ویمتنع تقلید الامام ومن معہ ، بل[ف] ان اجمع الامام وصاحباہ علی شیئ ورجح ناس من ھؤلاء المتأخرین قیلا مخالفا لاجماعھم ، وجب ترك

مجتہد مطلق امام اعظم بھی ہوں یہ جن کی گردِ پا کو بھی نہ پا سکے اور ان سب حضرات کا مجموعی کمال بھی ان کے فضل و کمال کے دسویں حصے کو بھی نہ پہنچ سکا۔ یہ ضب اور نون[1] کو جمع کرنے کے سوا کیا ہے!— اس لئے کہ اس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ حضرت امام، ان کے اصحاب اور ان کے مذہب کے اصحابِ ترجیح سب کے سب متفقہ طور پر جب کسی قول پر اجماع کرلیں تو مقلدین کے ذمہ اسے لینا ضروری نہیں بلکہ انھیں اختیار ہے اسے لے لیں، یا اپنی خواہشاتِ نفس کے مطابق مذہب سے خارج اقوال کو لے لیں — لیکن جب امام کوئی قول ارشاد فرمائیں، اور ان کے صاحبین ان کے خلاف کہیں پھر دونوں قولوں میں سے ہر ایک کو کچھ مرجحین ترجیح دیں اور صاحبین کی جانب ترجیح دینے والوں کی تعداد زیادہ ہو یا اُس طرف ترجیح کے الفاظ زیادہ مؤکد ہوں تو ایسی صورت میں ان مرجحین کی تقلید واجب ہو جائے اور امام اور ان کے موافق حضرات کی تقلید ناجائز ہو جائے — بلکہ اگر امام اور صاحبین کا کسی بات پر اجماع ہو اور ان متاخرین میں سے کچھ افراد اُن کے اجماع کے مخالف کسی قول کو ترجیح دے دیں تو اُن ائمہ کی

ف: معروضۃ علیہ۔

---

[1] ضَب: گوہ، جو جنگلی جانور ہے اور نون: مچھلی جو دریائی جانور ہے۔ دونوں میں کیا جوڑ۔ ایک عربی مثل سے ماخوذ ہے ۱۲ م

تقليد الائمة الى تقليد هؤلاء و اتباعهم ، هذا هو الباطل المبين ، لا دليل عليه اصلا من الشرع المتين ، والحمد لله رب العلمين ۔

وبه ظهران قول البحر و ان كان مبنيا على ذلك الحق المنصور المعتمد المختار، الماخوذ به قولا عند الائمة الكبار، وفعلا عندهم وعند هؤلاء المنازعين الاخيار، لكن ما زعم السيد[ف۱] لا يبتنى عليه ولا على ما زعم انه المختار، بل يخالفهما جميعا بالاعلان والجهار، و الحجة لله العزيز الغفار، والصلوة و السلام على سيد الابرار، و اله الاطهار، وصحبه الكبار، وعلينا معهم فى دار القرار، اٰمين!

قوله قول السراجية صريح ان المجتهد يتبع ما كان اقوى والا اتبع الترتيب فنتبع ما رجحوه۔

اقول رحمك الله قولك[ف۲]

تقلید چھوڑ کر ان افراد کی تقلید اور پیروی واجب ہو جائے ــــ یہی وہ کُھلا ہوا باطل خیال ہے جس پر شرع متین سے ہرگز کوئی دلیل نہیں ــــ والحمد للہ رب العالمین۔

اسی سے ظاہر ہوا کہ بحر کا کلام تو اُس قولِ حق پر مبنی تھا جو منصور، معتمد، مختار ہے، جسے قولاً تمام ائمہ کبار نے لیا اور عملاً اُن کے ساتھ ان بزرگ مخالفین نے بھی لیا ــــ لیکن علامہ شامی کے خیال کی بنیاد نہ اُس مختار پر قائم ہے نہ اُس پر جس کو بزعمِ خویش مختار سمجھا بلکہ وہ علانیہ و عیاں طور پر دونوں ہی کے خلاف ہے ــــ اور حجت خدائے عزیز وغفار ہی کی ہے اور درود و سلام ہو سید ابرار، ان کی آل اطہار، اصحاب کرام پر اور ان کے ساتھ ہم پر بھی دار القرار میں، الٰہی قبول فرما!

علامہ شامی: سراجیہ کی عبارت اس بارے میں صریح ہے کہ مجتہد اس کی پیروی کرے گا جو زیادہ قوی ہو، ورنہ ترتیب سابق کا اتباع کرے گا۔ تو ہم اسی کی پیروی کریں گے جسے ان حضرات نے ترجیح دے دی۔

اقول اللہ آپ پر رحم فرمائے، "تو ہم اسی

ف۱: معروضه على العلامة ش ۔

ف۲: معروضه عليه ۔

[۱] رد المحتار مطلب رسم المفتی دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۴۸

فنتبع مارجحوه ان كان داخلا فی ماذكرت من مفاد السراجية فتوجيه القول بضده و رده فان السراجية توجب علی غير المجتهد اتباع الترتيب لا الترجيح و ان كان زيادة من عندكم فمخالف للمنصوص وتفريع للشیئ علی ما هو تفريع له فانك ان كنت اهل النظر فعليك بالنظر المصيب ، اولا فعليك بالترتيب ، فمن اين هذا الثالث الغريب ۔

کی پیروی کریں گے جسے ان حضرات نے ترجیح دے دی" — یہ عبارت اگر آپ نے کلام سراجیہ کے مفاد ومفہوم کے تحت داخل کر کے ذکر کی ہے تو یہ اُس کلام کی توجیہ نہیں بلکہ اس کی مخالفت اور تردید ہے کیونکہ سراجیہ تو غیر مجتہد پر ترتیب کی پیروی واجب کرتی ہے نہ کہ ترجیح کی پیروی۔ اور اگر یہ عبارت آپ نے اپنی طرف سے بڑھائی ہے تو یہ منصوص کے برخلاف ہے اور ایک چیز کی تفریع ایسی چیز پر ہے جو دراصل اس کی تردید ہے — کیوں کہ آپ اگر صاحبِ نظر ہیں تو آپ کے ذمہ نظرِ صحیح ہے یا آپ اہلِ نظر نہیں تو آپ کے ذمہ اتباعِ ترتیب ہے — پھر یہ تیسرا بیگانہ و اجنبی کہاں سے آگیا؟

قوله لايجوز له مخالفة الترتيب المذكور الا اذا كان له ملكة فعليه ترجيح ما رجح عنده و نحن نتبع مارجحوه۔[1]

علامہ شامی: اس کے لئے ترتیب مذکور کی مخالفت جائز نہیں مگر جب اس کے پاس ملکہ ہو تو اس کے ذمہ یہ ہے کہ اس کے نزدیک جو راجح ہو اسے ترجیح دے اور ہمیں اس کی پیروی کرنا ہے جسے ان حضرات نے ترجیح دے دی۔

اقول رحمك الله (ف) هذا كذلك فحاصل كلامهم جميعا ماذكرت الی قولك و نحن اما

اقول اللہ آپ پر رحم فرمائے۔ یہ بھی اُسی کی طرح ہے۔ کیونکہ ان تمام حضرات کے کلام کا حاصل وہی ہے جو آپ نے "اور ہمیں" تک

ف: معروضة علی العلامة ش

---

[1] ردالمحتار کتاب القضاء مطلب یفتی بقول الامام علی الاطلاق دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۲

هذا افرد علیه وخروج عنه فان من لاملکة له لایجوز له عندهم مخالفة الترتیب وانتم اوجبتموه علیه ادارة له مع الترجیح۔

ذکر کیا ــــ اور یہ اضافہ تو اس کی تردید اور اس کی مخالفت ہے۔ کیوں کہ جس کے پاس ملکہ نہیں اس کے لئے ان حضرات کے نزدیک ترتیب کی مخالفت روا نہیں اور آپ نے تو اس پر یہ مخالفت واجب کردی ہے کیونکہ اسے آپ نے ترجیح کے ساتھ چکر لگانے کا پابند کردیا ہے۔

قوله کماحققه الشارح عن العلامة قاسم[1]۔

علامہ شامی: جیسا کہ علامہ قاسم سے نقل کرتے ہوئے شارح نے اس کی تحقیق کی ہے۔

اقول علمت[ف1] ان لاموافقة فیه لما لدیه ولا فیه میل الیه۔

اقول معلوم ہوچکا کہ اُس میں نہ تو اس خیال کی کوئی ہم نوائی ہے نہ اس کا کوئی میلان۔

قوله ویأتی عن الملتقط[2]۔

علامہ شامی: اور ملتقط کے حوالے سے آرہا ہے۔

اقول۔ اوّلاً[ف2] حاصل ما فیه ان القاضی المجتهد یقضی برأی نفسه والمقلد برأی المجتهدین و لیس له ان یخالفهم، واین فیه ان الذین یفتونه ان کانوا من مجتهدی مذهب امامه فاختلفوا فی الافتاء بقوله وجب علیه ان یأخذ

اقول ـ اوّلاً اس کا حاصل صرف یہ ہے کہ قاضی مجتہد خود اپنی رائے پر فیصلہ کرے گا اور قاضی مقلد مجتہدین کی رائے پر فیصلہ کرے گا اسے ان کی مخالفت کا حق نہیں۔ اس میں یہ کہاں ہے کہ جو لوگ اس قاضی مقلد کو فتوٰی دیں گے اگر وہ اس کے امام کے مذہب کے مجتہدین سے ہوں پھر قولِ امام پر اِفتا میں باہم مختلف ہوں تو اس پر واجب یہ ہے کہ

ف1: معروضة علی العلامة ش

ف2: معروضة علیه۔

---

[1] و [2] رد المحتار کتاب القضاء مطلب یفتی بقول الامام علی الاطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۲

بقول الذین خالفوا امامہ وامامہم ان کانوا اکثر او لفظہم اکد وانما النزاع فی ہذا۔

ان لوگوں کا قول لے جو اس کے امام اور اپنے امام کے خلاف گئے ہوں بشرطے کہ تعداد میں وہ زیادہ ہوں یا ان کے الفاظ زیادہ مؤکد ہوں — حالاں کہ نزاع تو اسی بارے میں ہے۔

وثانیا المنع[ف۱] من ان نخالفہم بارائنا اذ لا رأی لنا ونحن لا نخالفہم بارائنا بل برأی امامہم وامامنا۔

ثانیاً اگر ہم اپنی رائے لے کر ان کی مخالفت کریں تو اس سے ممانعت ہے کیونکہ ہماری کوئی رائے ہی نہیں لیکن ان کی مخالفت ہم اپنی رائے کے مقابل نہیں کرتے بلکہ ان کے امام اور اپنے امام کی رائے کو لے کر ان کی مخالفت کرتے ہیں۔

وقد قال فی الملتقط[ف۲] فی تلک العبارۃ فی القاضی المجتہد قضی بما رأہ صوابا لا بغیرہ الا ان یکون غیرہ اقوی فی الفقہ ووجوہ الاجتہاد فیجوز ترک رأیہ برأیہ[۱] اھ۔

اور ملتقط کے اندر تو اسی عبارت میں قاضی مجتہد سے متعلق یہ لکھا ہے کہ: خود جسے درست سمجھے اس پر فیصلہ کرے دوسرے کی رائے پر نہیں لیکن دوسرا اگر فقہ اور وجوہ اجتہاد میں اس سے زیادہ قوی ہو تو اس کی رائے اختیار کرکے اپنی رائے ترک کر دینا جائز ہے اھ۔

فاذا جاز للمجتہد ان یترک رأیہ برأی من ہو اقوی منہ مع انہ مأمور باتباع رأیہ ولیس لہ تقلید غیرہ فان ترکنا آراء ہؤلاء المفتین الی آراء امامنا و

جب مجتہد کے لئے اپنے سے اقوی کی رائے کو اختیار کرکے اپنی رائے ترک کرنا جائز ہے، حالاں کہ اسے حکم یہ ہے کہ اپنی رائے کا اتباع کرے اور دوسرے کی تقلید اس کے لئے روا نہیں، تو ہمارے اور ان مفتیوں کے امام اعظم

ف۱: معروضہ علیہ
ف۲: معروضہ علیہ

---

۱ الدرالمختار بحوالہ الملتقط کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/۷۲

امامهم الاعظم الذی ھو اقوی من مجموعھم فی الفقه ووجوه الاجتهاد بل فضله علیهم کفضلهم علینا او ھو اعظم الاولی بالجواز واجدر۔

جو فقہ اور وجوہِ اجتہاد میں ان حضرات کی مجموعی قوت سے بھی زیادہ قوت رکھتے ہیں بلکہ ان پر امام کو اسی طرح فوقیت ہے جیسے ہم پر ان حضرات کو فوقیت ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ تو اگر ہم ان کی رائے اختیار کرکے ان مفتیوں کی رائے ترک کریں تو یہ بدرجۂ اولیٰ جائز اور انسب ہوگا۔

قوله سقط ما بحثه فی البحر[1]۔

علامہ شامی: بحر کی بحث ساقط ہوگئی۔

اقول سبحٰن اللّٰه[ف1] ھو الحکم المأثور، ومعتمد الجمهور، والمصحح المنصور، فکیف یصح تسمیته بحث البحر ھذا۔

اقول سبحان اللہ۔ یہی تو حکم منقول ہے جمہور کا معتمد اور تصحیح وتائید یافتہ بھی، پھر اسے بحر کی بحث کہنا کیوں کر درست ہے؟

واقول یظهر لی فی توجیه[ف2] کلامه رحمه اللّٰه تعالٰی ان مراده اذا اتفق المرجحون علی ترجیح قول غیره رضی اللّٰه تعالٰی عنه ذکره ردا لما فهم من اطلاق قول البحر وان افتی المشائخ بخلافه فانه بظاهره یشمل ما اذا اجمع المشائخ علی ترجیح

اقول مجھے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کی توجیہ میں یہ سمجھ آتا ہے کہ ان کی مراد وہ صورت ہے جس میں حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا کسی اور کے قول کی ترجیح پر مرجحین کا اتفاق ہو۔ اسے اُس اطلاق کی تردید میں ذکر کیا جو بحر کی اِس عبارت سے سمجھ میں آتا ہے کہ "اگرچہ مشائخ نے اس کے خلاف فتویٰ دیا ہو" کیوں کہ بظاہر یہ اُس صورت کو بھی شامل ہے جس میں غیر امام کے

ف1: معروضه علیه

ف2: السعی الجمیل فی توجیه کلام العلامة الشامی رحمه اللّٰه تعالٰی۔

---

[1] رد المحتار کتاب القضاء دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۳

قول غیرہ۔

والدلیل علی ھذہ العنایۃ فی کلام ش انہ انما تمسک باتباع المرجحین وانھم اعلم وانھم سبروا الدلائل فحکموا بترجیحہ ولم یلم فی شیئ من الکلام الی صورۃ اختلاف الترجیح فضلا عن ارجحیۃ احد الترجیحین ولوکان مرادہ ذلک لم یقتصر علی اتباع المرجحین فانہ حاصل فی کلا الجانبین بل ذکر اتباع ارجح الترجیحین۔

قول کی ترجیح پر اجماعِ مشائخ ہو۔

یہ مراد ہونے پر کلام شامی میں دلیل یہ ہے کہ انھوں نے اتباعِ مرجحین سے استدلال کیا ہے اور اس بات سے کہ وہ زیادہ علم والے ہیں اور انھوں نے دلائل کی جانچ کرکے اس کی ترجیح کا فیصلہ کیا ہے۔ اور کلام کے کسی حصے میں اختلاف ترجیح کی صورت کو ہاتھ نہ لگایا۔ دو ترجیحوں میں سے ایک کے ارجح ہونے کا تذکرہ تو درکنار، اختلافِ ترجیح کی صورت اگر انھیں مقصود ہوتی تو صرف اتباعِ مرجحین کے حکم پر اکتفا نہ کرتے کیونکہ اس صورت میں اتباعِ مرجحین تو دونوں ہی جانب موجود ہے، بلکہ اس تقدیر پر وہ دونوں ترجیحوں میں سے ارجح کے اتباع کا ذکر کرتے۔

ویؤیدہ ایضا ما قدمنا فی السابعۃ من قولہ رحمہ اللہ تعالٰی لما تعارض التصحیحان تساقطا فرجعنا الی الاصل وھو تقدیم قول الامام[1] اھ۔

اس کی تائید اُن کے اس کلام سے بھی ہوتی ہے جسے ہم مقدمۂ ہفتم میں نقل کر آئے ہیں کہ: جب دونوں تصحیحوں میں تعارض ہوا تو دونوں ساقط ہوگئیں اس لئے ہم نے اصل کی جانب رجوع کیا، وہ یہ ہے کہ امام کا قول مقدم رہے گا اھ۔

وھذا وان کان ظاھرہ فی ما استوی الترجیحان لکن ما ذکرہ مترقیا علیہ عن الخیریۃ والبحریین ان الحکم اعم۔

یہ اگرچہ بظاہر دونوں ترجیحیں برابر ہونے کی صورت میں ہے لیکن آگے اس پر ترقی کرتے ہوئے خیریہ اور بحر کے حوالے سے جو ذکر کیا ہے وہ تعیین کردیتا ہے کہ حکم اعم ہے۔

---

[1] ردالمحتار مطلب اذا تعارض التصحیح دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۴۹

ویؤیدہ ایضا ما جعل اٰخر الکلام محصل جمیع کلام الدر فی الرسم اذ قال قولہ فلیحفظ ای جمیع ما ذکرناہ وحاصلہ ان الحکم ان اتفق علیہ اصحابنا یفتی بہ قطعا والا فاما[1] ان یصحح المشائخ احد القولین فیہ او[2] کلا منہما او[3] لا ولا ففی الثالث یعتبر الترتیب بان یفتی بقول ابی حنیفۃ ثم ابی یوسف الخ او قوۃ الدلیل و مر التوفیق، وفی الاول ان کان التصحیح بافعل التفضیل خیر المفتی والا فلا بل یفتی بالمصحح فقط وھذا ما نقلہ عن الرسالۃ وفی الثانی اما ان یکون احدھما ع

اِس کی تائید اُس سے بھی ہوتی ہے جسے آخر کلام میں مقصود سے متعلق پوری عبارت درمختار کا حاصل قرار دیا کہ وہاں یہ لکھا ہے: عبارتِ دُر "فلیحفظ — تو اسے یاد رکھا جائے" کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ سب یاد رکھا جائے جو ہم نے ذکر کیا اور اس کا حاصل یہ ہے کہ جب کسی حکم پر ہمارے اصحاب کا اتفاق ہو تو قطعاً اسی پر فتوٰی دیا جائے گا ورنہ تین صورتیں ہوں گی: (۱) مشائخ نے دونوں قولوں میں سے صرف ایک کو صحیح قرار دیا ہو (۲) ہر ایک کی تصحیح ہوئی ہو۔ (۳) مذکورہ دونوں صورتیں نہ ہوں —— تیسری صورت میں ترتیب کا اعتبار ہوگا اس طرح کہ امام ابوحنیفہ کے قول پر فتوٰی دیا جائے گا' پھر امام ابویوسف کے قول پر الخ — یا قوتِ دلیل کا اعتبار رہوگا — اور ان دونوں میں تطبیق کا بیان گزر چکا۔

اور پہلی صورت میں اگر تصحیح افعل التفضیل کے صیغے (مثلاً لفظ اصح) سے ہو تو مفتی کو تخییر ہوگی ورنہ (مثلاً صرف لفظ صحیح ہو تو) نہیں

ع اقول ف یشمل ما اذا کان کلاھما بہ ولا یتأتی فیہ الخلاف المذکور فکان ینبغی ان یقول احدھما وحدہ لیشمل قولہ او لا ما اذا کان بافعل ۱۲ منہ غفر لہ۔

ع اقول یہ اُس صورت کو بھی شامل ہے جس میں دونوں ترجیحیں بلفظ افعل ہوں حالانکہ اس میں خلاف مذکور حاصل نہ ہوگا — تو انھیں کوئی ایک کے بجائے "احدھما وحدہ — صرف ایک" کہنا چاہیے تھا، تاکہ ان کا قول "اَوْ لا — یا نہ" اس صورت کو بھی شامل ہو جائے جس میں ہر ایک بلفظ افعل ہو ۱۲ منہ (ت)

ف: معروضۃ علی العلامۃ ش

بافعل التفضیل اولا ففی الاول قیل یفتی بالاصح و ھو المنقول عن الخیریۃ وقیل بالصحیح و ھو المنقول عن شرح المنیۃ وفی الثانی یخیر المفتی وھو المنقول عن وقف البحر والرسالۃ افادہ ح اھ[1]۔

بلکہ مفتی کو اسی پر فتوٰی دینا ہے جسے صحیح کہا گیا ۔۔ یہ وہ بات ہے جو انھوں نے رسالہ سے نقل کی ۔۔ اور دوسری صورت میں کوئی ایک ترجیح بلفظ افعل التفضیل ہوگی یا نہ ہوگی ۔ برتقدیر اول کہا گیا کہ اصح پر فتوٰی دیا جائے گا۔ یہ خیریہ سے منقول ہے ۔۔ اور کہا گیا کہ صحیح پر فتوٰی ہوگا۔ یہ شرح منیہ سے منقول ہے ۔ برتقدیر دوم مفتی کو تخییر ہوگی ۔ یہ بحر کتاب الوقف اور رسالہ سے منقول ہے ۔ یہ حلبی نے افادہ فرمایا ۔ اھ۔

فما ذکرہ فی الثالث عین مرادنا وکذا ما ذکرہ فی الاول اما استثناء ما اذا کان التصحیح بافعل فاقول یخالف نفسہ ولا یخالفنا فان الترجیح اذا لم یوجد الا فی جانب واحد کما جعلہ محمل الرسالۃ ومع ذٰلک خیر المفتی لم یکن علیہ اتباع ما رجحوہ۔

تو تیسری صورت میں جو ذکر کیا بعینہٖ وہی ہماری مراد ہے ۔ اسی طرح وہ بھی جو پہلی صورت میں ذکر کیا ۔ رہا اُس صورت کا استثنا جس میں تصحیح بصیغہ اسم تفضیل ہو **فاقول** (تو میں کہتا ہوں) وہ خود ان کے خلاف ہے ہمارے خلاف نہیں ۔ کیوں کہ جب ترجیح صرف ایک طرف ہو ۔ جیسا کہ اسے رسالے کا محمل اور معنی مراد ٹھہرایا ۔ اس کے باوجود مفتی کو تخییر ہو تو اس کے ذمہ اس کی پیروی لازم نہ رہی جسے مشائخ نے ترجیح دی ۔

والتاویل بان افعل افادان الروایۃ المخالفۃ صحیحۃ ایضا کما قالاہ ھما وط۔

اور یہ تاویل کہ "افعل" کا مفاد یہ ہوگا کہ روایتِ خلاف بھی صحیح ہے ۔ جیسا کہ حلبی وشامی اور طحطاوی نے کہا ۔

ف : معروضہ علیہ

---

[1] رد المحتار مطلب اذا تعارض التصحیح دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۰ و ۵۱

فاقول اولاً هذا مسلم[ف۱] اذا قوبل الاصح بالصحیح اما اذا ذکروا قولین وقالوا فی احدهما وحده انه الاصح ولم یلموا ببیان قوة ما فی الاٰخر اصلا فلا یفهم منه الا ان الاول هو الراجح المنصور، ولا ینقدح فی ذهن احد انهم یریدون به تصحیح کلا القولین وان للاول مزیة ما علی الاٰخر فافعل ههنا من باب اهل الجنة خیر مستقرا واحسن مقیلا ولو سبرت[ف۲] کلماتهم لوجدتهم یقولون هذا احوط وهذا ارفق مع ان الاٰخر لا رفق فیه ولا احتیاط وهذا بدیهی عند من خدم کلامهم۔

ولذا قال[ف۳] فی الخیریة من

فاقول (تو میں کہتا ہوں) اولاً یہ بات اُس صورت میں تسلیم ہے جب اصح کے مقابلے میں صحیح لایا گیا ہو۔ لیکن جب دو قول ذکر کریں اور صرف ایک کے بارے میں کہیں کہ وہ اصح ہے اور دوسرے میں جو قوت ہے اس کے بیان سے کچھ بھی تعرض نہ کریں تو ایسی حالت میں یہی سمجھا جائے گا کہ اول ہی راجح اور تائید یافتہ ہے۔ اور کسی کے ذہن میں یہ خیال نہ گزرے گا کہ وہ اول کو اصح کہہ کر دونوں قولوں کو صحیح کہنا اور یہ بتانا چاہتے کہ اول کو دوسرے پر کچھ فضیلت ہے۔ تو یہ افعل "اهل الجنة خیر مستقرا واحسن مقیلا۔ جنت والے بہتر قرارگاہ اور سب سے اچھی آرام گاہ والے ہیں" کے باب سے ہوگا۔ اگر کلماتِ مشایخ کی تفتیش کیجیے تو یہ ملے گا کہ وہ حضرات فرماتے ہیں یہ احوط (زیادہ احتیاط والا) ہے، یہ ارفق (زیادہ نرمی وفائدے والا ہے) باوجودے کہ دوسرے میں کوئی احتیاط اور کوئی آسانی نہیں۔ یہ ان حضرات کے کلام کے خدمت گزاروں کے نزدیک بدیہی ہے۔ اھ۔

اسی لئے خیریہ کتاب الطلاق میں فرمایا:

ف۱: معروضة علیه وعلی العلامتین ح وط۔

ف۲: ربما لا یکون افعل فی قول الفقهاء هذا اصح احوط ارفق اوفق وامثاله من باب التفضیل۔

ف۳: اذا ثبت الاصح لا یعدل عنه ای اذا لم یوجد الاقوی منه۔

الطلاق انت علی علم بانہ بعد التنصیص علی اصحیتہ لایعدل عنہ الی غیرہ[1] اھ۔

تمھیں خبر ہے کہ اس کے اصح ہونے کی تصریح ہوجانے کے بعد اس سے کسی اور کی جانب عدول نہ ہوگا اھ۔

بل قال فی صلحھا فی مسألۃ قالوا فیھا لقائل ان یقول تجوز وھو الاصح ولقائل ان یقول لا ما نصہ حیث ثبت الاصح لایعدل عنہ[2] اھ۔

بلکہ خیریہ کتاب الصلح میں جہاں یہ مسئلہ ہے کہ لوگوں نے کہا اس میں کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ جائز ہے ــــ اور وہی اصح ہے ــــ اور کہنے والا کہہ سکتا ہے جائز نہیں، وہاں وہ لکھتے ہیں: جب اصح ثابت ہوگا تو اس سے عدول نہ ہوگا اھ۔

وھذا (ف۱) مفاد متنہ العقود و ان مال فی شرحہ الی ما ھنا فانہ قال ؎

یہی ان کے متن عقود کا بھی مفاد ہے اگرچہ اس کی شرح میں وہ اس بات کی طرف مائل ہوگئے جو یہاں زیر بحث ہے کیوں کہ اس میں یہ لکھا ہے:

وحیثما وجدت قولین وقد صحح واحد فذاك المعتمد بنحو ذا الفتوی علیہ الاشبہ والاظھر المختار ذا والاوجہ[3]

جہاں تم کو دو قول ملیں، جن میں ایک کی تصحیح اس طرح کے الفاظ سے ہو، اسی پر فتوٰی ہے، یہ اشبہ ہے، اظہر ہے، مختار ہے، اوجہ ہے ــــ تو وہی معتمد ہے اھ۔

فقد حکم بقصر الاعتماد علی ما قیل فیہ افعل ولم یصحح خلافہ۔

تو معتمد ہونے کا حکم اسی پر محدود رکھا جس کی تصحیح میں لفظ افعل آیا ہے اور اس کے مخالف قول کی تصحیح نہیں ہوئی ہے۔

ولما (ف۲) قال فی الدر فیمن

درمختار کے اندر اُس شخص سے متعلق جو بائیں جانب

ف۱: معروضۃ علی العلامۃ ش

ف۲: مسئلہ نماز میں بائیں طرف کا سلام پھیرنا بھول گیا جب تک قبلہ سے نہ پھرا ہو کہہ لے۔

---

[1] الفتاوی الخیریۃ کتاب الطلاق دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۳۹

[2] " " کتاب الصلح " " " ۲/ ۱۰۴

[3] شرح عقود رسم المفتی رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۳۷

فی التسلیم عن یسارہ اتی بہ ما لم یستدبر القبلۃ فی الاصح[۱]۔

سلام پھیرنا بھول گیا یہ لکھا ہے: جب تک قبلہ سے پیٹھ نہ پھیری ہو اس کی بجا آوری کرلے — اصح مذہب میں — اھ۔

وکان فی القنیۃ انہ الصحیح[۲] قال ش[ف۱] عبر الشارح بالاصح بدل الصحیح والخطب فیہ سہل[۳] اھ۔

اسی مسئلے کے تحت قنیہ میں لکھا تھا کہ یہی صحیح ہے — تو اس پر علامہ شامی نے لکھا کہ شارح نے صحیح کی جگہ اصح سے تعبیر کی۔ اور معاملہ اس میں سہل ہے اھ۔

وکیف[ف۲] یکون سہلا وھما عندکم علی طرفی نقیض فان الصحیح کان یفید ان خلافہ فاسد وافاد الاصح عندکم انہ صحیح فقد جعل الفاسد صحیحا۔

سہل کیسے ہوگا جب دونوں آپ کے نزدیک ایک دوسرے کی بالکل نقیض اور ضد ہیں۔ کیونکہ صحیح کا مفاد یہ تھا کہ اس کا تقابل فاسد ہے۔ اور اصح کا مفاد آپ کے نزدیک یہ ہوا کہ اس کا مقابل صحیح ہے تو آپ کے طور پر تو شارح نے فاسد کو صحیح بنادیا — ؟

ثانیا[ف۳] قد قلتم علینا اتباع ما رجحوہ ولیس بیان قوۃ للشیئ فی نفسہ ترجیحا لہ اذ لابد للترجیح من مرجّح

ثانیاً آپ نے فرمایا جسے ان حضرات نے ترجیح دے دی ہم پر اسی کی پیروی لازم ہے۔ اور شے کی ذات میں پائی جانے والی کسی قوت کا بیان، ترجیح نہیں۔ کیونکہ ترجیح کے لئے مرجّح اور

ف۱: الصحیح والاصح متقاربان والخطب فیہ سہل۔
ف۲: معروضۃ علی العلامۃ ش۔
ف۳: معروضۃ علی العلامۃ ش۔

---

[۱] الدرالمختار کتاب الصلٰوۃ فصل اذا اراد الشروع فی الصلٰوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۷۸
[۲] القنیۃ المنیۃ لتتمیم الغنیۃ کتاب الصلٰوۃ باب فی القعدۃ والذکر فیہا کلکتہ انڈیا ص ۳۱
[۳] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ فصل اذا اراد الشروع داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۵۲

ومرجّح علیہ فالمعنی قطعا ما فضلوہ علی غیرہ فلا شك انھم اذا قالوا الاحد قولین انہ الاصح وسکتوا عن الاٰخر فقد فضلوہ ورجحوہ علی الاٰخر فوجب اتباعہ عندکم وسقط التخییر۔

مرجّح علیہ (جس کو راجح کہا گیا اور جس پر راجح کہا گیا) دونوں ضروری ہیں۔ تو قطعاً یہ معنیٰ ہوگا کہ جسے ان حضرات نے دوسرے سے افضل قرار دیا اس کی پیروی ضروری ہے۔۔۔ اب یہ قطعی بات ہے کہ جب انھوں نے دو قولوں میں سے ایک کو اصح کہا اور دوسرے سے متعلق سکوت اختیار کیا تو اسے انھوں نے دوسرے سے افضل اور راجح قرار دیا تو آپ کے نزدیک اس کا اتباع واجب ہوا اور تخییر ساقط ہوگئی۔

فالوجہ عندی حمل کلام الرسالۃ علی ما اذا ذیلت احدھما بافعل والاخری بغیرہ فیکون ثالث ما فی المسألۃ عن الخیریۃ والغنیۃ من اختیار الاصح او الصحیح وھو التخییر وھذا اولٰی من حملہ علی ما یقبل۔

تو میرے نزدیک مناسب طریقہ یہ ہے کہ رسالہ کا کلام اُس صورت پر محمول کیا جائے جس میں ایک کے ذیل میں "افعل" سے ترجیح ہو اور دوسرے میں غیر افعل سے۔۔۔ تو اس مسئلہ میں خیریہ سے اصح کو اور غنیہ سے صحیح کو اختیار کرنے کا جو حکم منقول ہے اس کی یہ تیسری شق ہو جائے گی وہ یہ کہ تخییر ہے (کسی ایک کی پابندی نہیں صحیح یا اصح کسی کو بھی اختیار کر سکتا ہے) یہ معنی لینا اُس معنی پر محمول کرنے سے بہتر ہے جو نا قابلِ قبول ہے۔

لاسیما الرسالۃ مجھولۃ لاتدری ھی ولا مؤلفھا والنقل[ف] عن المجھول لایعتمد وان کان[ع] الناقل

خصوصاً جبکہ رسالہ مجہول ہے۔ نہ اس کا پتا نہ اس کے مؤلف کا پتا۔۔۔ اور مجہول سے نقل قابلِ اعتماد نہیں اگرچہ ناقل معتمد ہو جیسا کہ یہ ضابطہ

ف: لایعتمد علی النقل عن مجھول وان کان الناقل ثقۃ۔

ع: اقول وثم تفصیل یعرفہ الماھر باسالیب الکلام والمطلع علی مراتب الرجال فافھم ۱۲ منہ۔

ع: اقول اور یہاں کچھ تفصیل ہے جس کی معرفت اسالیبِ کلام کے ماہر اور مراتبِ رجال سے باخبر شخص کو ہوگی تو اسے سمجھ لیں ۱۲ منہ (ت)

من المعتمدين كما افصح به ش في مواضع من كتبه و بيّناه في فصل القضاء۔

وبالجملة فالثنيا تخالف ما قرره امّا انها لا تخالفنا[ف] فلان مفادها اذ ذاك التخيير وهو حاصل ما في شق الثاني لانه لما وقع في شقه الاول الخلاف من دون ترجيح أل الى التخيير و التخيير مقيد بقيود قد ذكرها من قبل وذكرها هنا بقوله ولا تنس ما قدمناه من قيود التخيير[1] اھ من اعظمها ان لا يكون احدهما قول الامام فاذا كان فلا تخيير كما اسلفنا أنفا نقله ، و قد قال في شرح عقوده اذ كان احدهما قول الامام الاعظم والأخر قول بعض اصحابه لانه عند عدم الترجيح لاحدهما

خود علامہ شامی نے اپنی تصانیف کے متعدد مقامات میں صاف طور پر بیان کیا ہے اور ہم نے بھی فصل القضاء میں اسے واضح کیا ہے۔

الحاصل وہ استثناء ان ہی کے طے کردہ اور مقررہ امر کے خلاف ہے ــــ رہا یہ کہ وہ ہمارے خلاف نہیں تو اس لئے کہ اس وقت اس کا مفاد تخییر ہے اور یہی اس کا حاصل ہے جو صورت دوم کی دونوں شقوں کے تحت مذکور ہے کیونکہ جب اس کی پہلی شق میں اختلاف ہوگیا (کہ اصح کو اختیار کرے، یا صحیح کو اختیار کرے) اور ترجیح کسی کو نہیں تو مآل یہ ہوا کہ تخییر ہے۔ اور تخییر کچھ قیدوں سے مقید ہے جنھیں پہلے ذکر کیا ہے اور یہاں بھی ان کی یاددہانی کی ہے یہ کہہ کر کہ: اور تخییر کی اُن قیدوں کو فراموش نہ کرنا جو ہم پہلے بیان کرچکے اھ ــــ ان میں سے عظیم ترین قید یہ ہے کہ دونوں میں کوئی ایک، قولِ امام نہ ہو، اگر ایسا ہُوا تو تخییر نہ ہوگی جیسا اسے ہم ابھی نقل کر آئے ــــ اور علامہ شامی نے اپنی شرح عقود میں لکھا ہے کہ: جب دونوں میں سے ایک، امام اعظم کا قول ہو اور دوسرا ان کے بعض اصحاب کا قول ہو تو کسی کی ترجیح نہ ہونے

ف: تحقیق ان ما ذکر من حاصل کلام الدر فانه لایخالفنا۔

---

[1] ردالمحتار مطلب اذا تعارض التصحیح دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۰

یقدم قول الامام فکذا بعدہ[1] اھ

ای بعد ترجیح القولین جمیعا فرجع حاصل القول الی ان قول الامام ھو المتبع الا ان یتفق المرجحون علی تصحیح خلافہ۔

فان قلت[ف] الیس قد ذکر عشر مرجحات اُخر ونفی التخییر مع کل منھا: اٰکدیۃ التصحیح[1] کونہ فی المتون[2] والاٰخر فی الشروح اوفی[3] الشروح والاٰخر فی الفتاوی او[4] علّلوہ دون الاٰخر او[5] کونہ استحسانا او[6] ظاھر الروایۃ او[7] انفع للوقف او[8] قول الاکثر او[9] اوفق باھل الزمان او[10] اوجہ زادھذین فی شرح عقودہ۔

قلت بلی ولا ننکرھا افقال ان الترجح بھا اٰکد من الترجح بانہ قول الامام انما ذکر رحمہ اللہ تعالٰی ان التصحیح اذا اختلف وکان لاحدھما

کے وقت قولِ امام کو مقدم رکھا جاتا ہے تو ایسے ہی اس کے بعد بھی ہوگا اھ ـــــ یعنی دونوں قولوں کی ترجیح کے بعد بھی ہوگا تو حاصلِ کلام یہی نکلا کہ اتباع قولِ امام ہی کا ہوگا مگر یہ کہ مرجحین اس کے خلاف کی ترجیح پر متفق ہوں ۔

اگر سوال ہو کہ کیا ایسا نہیں کہ اس میں دس مرجّح اور بھی ذکر کئے ہیں اور ہر ایک کے ساتھ تخییر کی نفی کی ہے (۱) تصحیح کا زیادہ مؤکد ہونا (۲) یا اس کا متون میں اور دوسرے کا شروح میں ہونا (۳) اس کا شروح میں اور دوسرے کا فتاوٰی میں ہونا (۴) ان حضرات نے اس کی تعلیل فرمائی دوسرے کی کوئی علت ودلیل نہ بتائی (۵) اس کا استحسان ہونا (۶) یا ظاہر الروایہ (۷) یا وقف کے لئے زیادہ نفع بخش (۸) یا قولِ اکثر (۹) یا اہل زمانہ سے زیادہ ہم آہنگ اور موافق (۱۰) یا اوجہ ہونا ـــــ ان دونوں کا شرح عقود میں اضافہ ہے۔

میں کہوں گا کیوں نہیں ، ہمیں ان سے انکار نہیں ۔ بتائیے کیا یہ بھی کہا ہے کہ ان سب وجہوں سے ترجیح پانا قولِ امام ہونے کے سبب ترجیح پانے سے زیادہ مؤکد ہے؟ ـــــ انھوں نے تو صرف یہ ذکر کیا ہے کہ جب تصحیح میں

ف: ذکر عشر مرجحات لاحد القولین علی الاٰخر۔

---

[1] شرح عقود رسم المفتی رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ص ۴۰

مرجّح من هذه ترجح ولا تخییر ولم یذکر ما اذا کان لکل منهما مرجّح منها۔

اقول وقد[1] بقی من المرجحات کونه احوط او ارفق او علیه العمل وھذا یقتضی الکلام علی تفاضل ھذه المرجحات فیمابینہا وکانه لم یلم به لصعوبة استقصائه فلیس فی کلامه مضادة لما ذکرنا۔

وانا اقول[2] الترجیح بکونه مذھب الامام ارجح من الکل للتصریحات القاھرة الظاھرة الباھرة المتواترة ان الفتوی بقول الامام مطلقا وقد صرح الامام الاجل صاحب الھدایة بوجوبه علی کل حال۔

وان بغیت التفصیل وجدت الترجیح به ارجح من جل ماذکر مما یوجد معارضا له فاقول القول لا یکون

اختلاف ہو اور ایک تصحیح کے ساتھ ان دنوں میں سے کوئی ایک مرجح ہو تو وہ ترجیح پا جائے گی اور تخییر نہ ہوگی — اس صورت کا تو ذکر ہی نہ فرمایا جس میں ہر ایک تصحیح کے ساتھ ان میں سے کوئی ایک مرجح ہو۔

اقول اور ابھی یہ مرجحات باقی رہ گئے اس کا احوط، یا ارفق، یا معمول بہ ہونا (علیه العمل) — اور یہ اس کا مقتضی ہے کہ ان ترجیحات کے باہمی تفاوت اور فرق مراتب پر کلام کیا جائے۔ اس کی چھان بین دشوار ہونے کے باعث شاید اسے ہاتھ نہ لگایا — تو ہم نے جو ذکر کیا اس کی کوئی مخالفت اُن کے کلام میں نہیں۔

وانا اقول (اور میں کہتا ہوں) مذہب امام ہونے کے باعث ترجیح پانا سب سے ارجح ہے اس لئے کہ قاہر ظاہر باہر متواتر تصریحات موجود ہیں کہ فتوٰی مطلقاً قولِ امام پر ہوگا اور امام جلیل صاحبِ ہدایہ نے ہر حال میں قولِ امام پر افتاء واجب ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔

اور اگر تفصیل طلب کرو تو اس کے باعث ترجیح اس کے مقابل پائے جانے والے مذکورہ تقریباً سبھی مرجحات سے زیادہ راجح ملے گی فاقول (تو اس کی تفصیل میں، میں کہتا ہوں)

---

[1] : ذکر ثلث مرجحات اخر۔

[2] : الترجیح بکونه قول الامام ارجح من کل مایوجد معارضا له۔

الاظاهر الروایة ومحال ان تمشی المتون قاطبة علی خلاف قوله وانما وضعت لنقل مذهبه وکذالک تجد ابدا ان المتون سکتت عن قوله و الشروح اجمعت علی خلافه ولم یلهج به الا الفتاوی و الانفعیة للوقف من المصالح الجلیلة المهمة وهی احدی الحوامل الست وکذا الاوفقیة لاهل الزمان وکونه علیه العمل وکذا الارفق اذا کان فی محل دفع الحرج والاحوط اذا کان فی خلافه مفسدة والاستحسان اذا کان لنحو ضرورة او تعامل اما اذا کان لدلیل فمختص باهل النظر و کذا کونه اوجه و اوضح دلیلا کما اعترف به فی شرح عقودہ۔

(۱) وُہ قول جب ہوگا ظاہر الروایہ ہی ہوگا (۲) اور یہ محال ہے کہ تمام متون قولِ امام کی مخالفت پر گام زن ہوں جب کہ ان کی وضع امام ہی کا مذہب نقل کرنے کے لئے ہوئی ہے (۳-۴) اسی طرح ہرگز کبھی ایسا نہ ملے گا کہ متون قولِ امام سے ساکت ہوں اور شروح نے اس کی مخالفت پر اجماع کرلیا ہو، صرف فتاوٰی نے اسے ذکر کیا ہو ___ (۵) اور وقف کے لئے انفع ہونا عظیم اہم مصالح میں شامل ہے اور یہ اسباب ستّہ میں سے ایک ہے (۶) اسی طرح اہلِ زمان کے زیادہ موافق ہونا (۷) اور اسی پر عمل ہونا (۸) یوں ہی ارفق اور زیادہ آسان ہونا جب کہ دفع حرج کا مقام ہو (۹) اور احوط بھی، جب کہ اس کے خلاف میں کوئی مَفسَدہ اور خرابی ہو (۱۰) اور استحسان بھی، جب کہ ضرورت یا تعامل جیسی چیز کے باعث ہو۔ لیکن استحسان اگر دلیل کے باعث ہو تو وُہ اہلِ نظر سے خاص ہے (۱۱ — ۱۲) یوں ہی اس کا اوجہ اور دلیل کے لحاظ سے زیادہ واضح ہونا (اہلِ نظر کا حصّہ ہے) جیسا کہ علامہ شامی نے شرح عقود میں اس کا اعتراف کیا ہے۔

وقد اعلمناك ان المقلد لایترك قول امامه لقول غیرہ ان غیرہ اقوی دلیلا

اور یہ ہم بتا چکے ہیں کہ مقلد اپنے امام کا قول کسی دوسرے کے قول کی وجہ سے ترک نہ کرے گا ___ اگر دوسرا قول میری نظر میں دلیل کے

ف: الاستحسان لغیر نحو ضرورة وتعامل لا یقدم علی قول الامام۔

فی نظری فاین النظر من النظر و انما یتبعه فی ذٰلك تارك تقلید امامه من یسلم ان احدا من مقلدیه ومجتهدی مذهبه ابصر بالدلیل الصحیح منه

لحاظ سے زیادہ قوت رکھتا ہے تو میری نظر کو امام کی نظر سے کیا نسبت؟ ـــ اپنے امام کی تقلید چھوڑ کر اس دوسرے کے قول کا اتباع وہی کرے گا جو یہ مانتا ہے کہ امام کے مقلدین اور ان کے مذہب کے مجتہدین میں سے کوئی فرد دلیل صحیح کی ان سے زیادہ بصرت رکھتا ہے۔

ولربما یکون قیاس یعارضه استحسان یعارضه استحسان اخرادق منه فکیف یترك القیاس القوی بالاستحسان الضعیف، وھذا ھو المرجو فی کل قیاس قال به الامام وقیل لغیرہ لالمثل ضرورۃ وتعامل انه استحسان ولنحو ھذا ربما قدموا القیاس علی الاستحسان وقد نقل فی مسألة فی الشرکة الفاسدۃ ش عن ط عن الحموی عن المفتاح ان قول محمد ھو المختار للفتوی وعن غایة البیان ان قول ابی یوسف استحسان اھ فقال ش وعلیه فھو من المسائل التی ترجح

شاید ایسا ہو گا کہ کسی قیاس کے معارض کوئی ایسا استحسان ہو جس کے معارض اس سے زیادہ دقیق دوسرا استحسان موجود ہو تو قیاس قوی کو استحسان ضعیف کے باعث کیسے ترک کر دیا جائے گا! امید ہے کہ یہی صورت ہر اُس قیاس میں پائی جاتی ہو گی جس کے قائل امام ہیں، اور جس کے مقابل دوسرے کو ـــ ضرورت وتعامل جیسے امور کے ماسوا میں ـــ استحسان کہا گیا ہو ایسے ہی نکتے کے باعث بعض اوقات قیاس کو استحسان پر مقدم کرتے ہیں ـــ علامہ شامی نے طحطاوی سے، انھوں نے حموی سے، انھوں نے مفتاح سے، شرکتِ فاسدہ کے ایک مسئلے میں نقل کیا ہے کہ امام محمد ہی کا قول فتوی کے لئے مختار (ترجیح یافتہ) ہے۔ اور غایۃ البیان سے نقل کیا کہ امام ابو یوسف کا قول استحسان ہے ـــ اس پر علامہ شامی نے فرمایا: اس کے پیشِ نظر

عہ قاله الامام الکرخی فی مختصرہ وعنه نقل فی غایة البیان ۱۲ منه غفر له۔

عہ۱ اسے امام کرخی نے اپنی مختصر میں بیان کیا ہے اسی سے غایۃ البیان میں منقول ہے ۱۲ منہ (ت)

فیھا القیاس علی الاستحسان [1] اھ۔

وہ ان مسائل میں شامل ہے جن میں قیاس کو استحسان پر ترجیح ہوتی ہے اھ۔

ف[1] فافادات ماعلیہ الفتوی مقدم علی الاستحسان و کذا ضرورۃ علی ماعُلل فالتعلیل من امارات الترجیح والفتوی اعظم ترجیح صریح وکذا لاشك فی تقدیمھا علی الاوجہ و الارفق والاحوط کما نصوا علیہ۔

اس بیان سے انھوں نے یہ افادہ کیا کہ (ماعلیہ الفتوی) جس قول پر فتوٰی ہوتا ہے وہ استحسان پر مقدم ہوتا ہے (۱۳) یوں ہی بدیہی وضروری طور پر یہ اس قول سے بھی مقدم ہوگا جس کی تعلیل ہوتی ہو، اس لئے کہ تعلیل ترجیح کی صرف ایک علامت ہے اور فتوی سب سے عظیم ترجیح صریح ہے (۱۴۔۔۱۶) یُوں ہی اوجہ، ارفق اور احوط پر بھی اس کے مقدم ہونے میں کوئی شک نہیں۔

فلم یبق من المرجحات المذکورۃ الاآکدیۃ التصحیح واکثریۃ القائلین ولذا اقتصرنا علی ذکرھما فیما مضی۔

اب تصحیح کے زیادہ مؤکد ہونے اور قائلین کی تعداد زیادہ ہونے کے سوا مذکورہ مرجحات سے کوئی مرجح باقی نہ رہا ۔۔۔ اسی لئے سابق میں ہم نے صرف ان ہی دونوں کے ذکر پر اکتفا کی۔

ف[2] وای اکثریۃ اکثرمما فی مسألتی وقت العصر و العشاء حتی ادعوا علی خلاف قولہ التعامل بل عمل عامۃ الصحابۃ فی العشاء ولم یمنع

اب بتائیے قائلین کی اکثریت کہیں اس سے زیادہ ہوگی جو وقتِ عصر اور وقت عشاء کے مسئلوں میں امام کے مقابل موجود ہے؟ یہاں تک کہ لوگوں نے قولِ امام کے برخلاف تعامل بلکہ عشا میں عامہ صحابہ کا عمل ہونے کا بھی دعوٰی کیا

ف[1]: ماعلیہ الفتوی مقدم علی الاستحسان۔

ف[2]: عند قول الامام لاینظر الی کثرۃ الترجیح فی الجانب الاٰخر۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الشرکۃ فصل فی الشرکۃ الفاسدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۵۰

سے پانی نجس مانا جائے گا وضو اور غسل کے حق میں اور دوسری چیزوں سے متعلق جب سے دیکھا گیا اس وقت سے یعنی اب سے نجس مانا جائے گا پہلے سے نہیں۔

افتی بہ الصباغی وصححہ فی المحیط والتبیین واقرہ فی البحر والمنح واعتمدہ فی التنویر والدر فقلتم مخالف لاطلاق المتون قاطبۃ (الٰی قولکم) فلا یعول علیہ وان اقرہ فی البحر و المنح[1]

اسی پر صباغی نے فتوٰی دیا — محیط اور تبیین میں اسی کو صحیح کہا — البحرالرائق اور منح الغفار میں اسے برقرار رکھا — تنویرالابصار اور درمختار میں اسی پر اعتماد کیا تو آپ نے فرمایا: یہ تمام متون کے اطلاق کے برخلاف ہے (یہاں تک کہ فرمایا) تو اس پر اعتماد نہ ہوگا اگرچہ بحر اور منح میں اسے برقرار رکھا۔

ومنھا وقف صدقۃ علی رجل بعینہ عادبعد موتہ لورثۃ الواقف قال فی الاجناس ثم فتح القدیر بہ یفتی[2] فقلتم انہ خلاف المعتمد لمخالفتہ لما نص علیہ محققوا المشائخ و لما فی المتون من انہ بعد موت الموقوف علیہ یعود للفقراء[3]

(۲) کوئی صدقہ ایک شخص معین پر وقف کیا تو یہ وقف اس شخص کی موت کے بعد واقف کے ورثہ کی طرف لوٹ آئے گا — اجناس میں پھر فتح القدیر میں کہا بہ یفتی (اسی پر فتوٰی دیا جاتا ہے) — آپ نے فرمایا: یہ خلاف معتمد ہے کیونکہ یہ اس کے خلاف ہے جس پر محققین مشائخ نے نص فرمایا اور اس کے بھی جو متون میں مذکور ہے، وہ یہ کہ موقوف علیہ کی موت کے بعد وہ فقراء پر لوٹ آئے گا۔

ومنھا ما اختار الامامان الجلیلان والکرخی من الغاء طلاق السکران

(۳) امام جلیلین طحاوی و کرخی نے اختیار فرمایا کہ نشہ والے کی طلاق بے کار ہے۔ اور تفرید

[1] ردالمحتار باب المیاہ فصل فی البئر داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۴۶
[2] الدرالمختار بحوالہ الفتح کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۷۹
[3] ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۳۶۶

ذٰلك لاسیما فی العصر عن التعویل علی قول الامام، ونقلتم عن البحر واقررتم انه لایعدل عن قول الامام الا لضرورۃ وان صرح المشائخ ان الفتوی علی قولهما کما هنا اھ[1]۔

پھر بھی یہ اکثریت، خصوصاً عصر میں، قول امام پر اعتماد سے مانع نہ ہو سکی ــــ اور آپ ہی نے بحر سے یہ نقل کیا اور برقرار رکھا کہ: قولِ امام سے بجز ضرورت کے عدول نہ ہوگا اگرچہ مشایخ نے تصریح فرمائی ہو کہ فتوٰی قولِ صاحبین پر ہے ــــ جیسے یہاں ہے اھ۔

وناهیك به جوابا عن اکدیة لفظ التصحیح وایضا قدمنا نصوص ش فی ذٰلك فی سرد النقول عن کتاب النکاح وکتاب الهبة وایضا اکثر فی رد المحتار من معارضة الفتوٰی بالمتون وتقدیم مافیها علی ماعلیه الفتوٰی وماهو الا لان المتون وضعت لنقل مذهب صاحب المذهب رضی الله تعالٰی عنه۔

اور لفظ تصحیح کے زیادہ مؤکد ہونے سے متعلق جواب کے لئے بھی یہی کافی ہے۔ اور اس بارے میں علامہ شامی کی صریح عبارتیں ذکرِ نقول کے تحت کتاب النکاح اور کتاب الہبہ سے ہم پہلے بھی نقل کر چکے ہیں ــــ اور انھوں نے رد المحتار میں بہت سے مقامات پر فتوٰی کے مقابلہ میں متون کو پیش کیا ہے اور متون میں جو مذکور ہے اسے ماعلیہ الفتوی (وہ قول جس پر فتوٰی ہے) پر مقدم قرار دیا ہے، اور یہ اسی لئے ہے کہ متون صاحبِ مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب نقل کرنے کے لئے وضع ہوئے ہیں۔

فمنها الاسناد فی البئر الی یوم او ثلثة فی حق الوضوء والغسل والاقتصار فی حق غیرهما۔

ان میں سے چند مقامات کی نشان دہی: (۱) کنوئیں میں کوئی جانور مرا ہوا دیکھا گیا اور گرنے کا وقت معلوم نہیں تو اگر پھولا پھٹا نہیں ہے تو ایک دن اور پھولا پھٹا ہے تو تین دن

ف: اذا رجح قول الامام وقول خلافه کان العمل بقول الامام وان قالوا لغیرہ علیه الفتوی۔

[1] البحر الرائق ــ کتاب الصلوٰۃ ــ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۴۶

وفی التفرید ثم التتارخانیة ثم الدر الفتوٰی علیه[1] فقلتم مثل ح قد علمت مخالفته لسائر المتون[2]

پھر تاتارخانیہ پھر درمختار میں ہے کہ فتویٰ اسی پر ہے — آپ نے حلبی کی طرح فرمایا : تمھیں معلوم ہے کہ سارے متون کے خلاف ہے۔

ومنها قال محمد اذا لم یکن عصبة فولایة النکاح للحاکم دون الام، قال فی المضمرات علیه الفتوٰی فقلتم کالبحر والنھر غریب لمخالفته المتون الموضوعة لبیان الفتوٰی[3]

(۴) امام محمد نے فرمایا : جب کوئی عصبہ نہ ہو تو نکاح کی ولایت حاکم کو حاصل ہوگی ، ماں کو نہیں۔ مضمرات میں لکھا : اسی پر فتویٰ ہے — آپ نے بحر و نہر کی طرح فرمایا : یہ غریب ہے کیوں کہ بیان فتویٰ کے لئے وضع شدہ متون کے برخلاف ہے۔

ومنها قال محمد لا تعتبر الکفاءة دیانة وفی الفتح عن المحیط علیه الفتوٰی وصححه فی المبسوط فقلتم کالبحر تصحیح الھدایة معارض له فالافتاء بما فی المتون اولٰی[4]

(۵) امام محمد نے فرمایا : دین داری میں کفارت کا اعتبار نہیں — فتح القدیر میں محیط کے حوالے سے لکھا : اسی پر فتویٰ ہے — اور مبسوط میں اسی کو صحیح کہا — آپ نے بحر کی طرح فرمایا : ہدایہ کی تصحیح اس کے معارض ہے تو اُسی پر افتا اولیٰ ہے جو متون میں مذکور ہے۔

ومنها قال لها اختاری اختاری اختاری فقالت اخترت الاولٰی او الوسطٰی او الاخیرة طلقت ثلثا عنده وواحدة بائنة عندهما واختاره الطحاوی و قال فی الدر واقره الشیخ علی المقدسی وفی

(۶) شوہر نے بیوی سے کہا : اختیار کر ، اختیار کر ، اختیار کر — تو بیوی نے کہا : میں نے پہلی — یا درمیانی — یا آخری اختیار کی ، امام صاحب کے نزدیک اس پر تین طلاقیں پڑ گئیں۔ اور صاحبین کے نزدیک ایک طلاق بائن واقع ہوئی — اور اسی کو امام طحاوی نے اختیار کیا — درمختار میں ہے : اور اسے شیخ علی مقدسی نے برقرار رکھا — اور

---

[1] الدر المختار بحوالہ التاتارخانیہ کتاب الطلاق مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۱۷
[2] رد المحتار کتاب الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۲۴ و ۲۲۵
[3] رد المحتار کتاب النکاح باب الولی " " " " ۲/ ۳۱۲
[4] رد المحتار " باب الکفاءة " " " " ۲/ ۳۲۰

الحاوی القدسی وبه نأخذ فقد افاد ان قولهما هو المفتی به کذا بخط الشرف الغزّی[1] فقلتم قول الامام مشی علیه المتون واخر دلیله فی الهدایة[ف1] فکان هو المعتمد[2]. **ومنها** طلب القسمة من لا ینتفع بها لقلة حصته قال شیخ الاسلام خواهر زاده یجاب قال فی الخانیة وعلیه الفتوی فقال فی الدر لکن[ف2] المتون علی الاول فعلیه المعول[3] واقررتموه انتم وط مع قولکم مرارا منها فی هبة رد المحتار کن علی ذکر مما قالوا لا یعدل[ف3] عن تصحیح قاضیخان فانه فقیه النفس[4] اھ. فقد ظهر ولله الحمد ان

حاوی قدسی میں ہے: وبه ناخذ (ہم اسی کو لیتے ہیں) تو یہ افادہ کیا کہ قولِ صاحبین ہی مُفتیٰ بہ ہے — شرف غزّی کی قلمی تحریر میں اسی طرح ہے — آپ نے فرمایا، قولِ امام پر متون گام زن ہیں۔ اور ہدایہ میں اسی کی دلیل مؤخر رکھی ہے تو وہی معتمد ہوا۔

(۷) تقسیم کا ایسے شخص نے مطالبہ کیا جو اس سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتا کیوں کہ اس کا حصہ بہت کم ہوگا — شیخ الاسلام خواہر زادہ نے کہا: تقسیم کر دی جائے — خانیہ میں کہا: اسی پر فتوٰی ہے۔ اس پر درمختار میں فرمایا: لیکن متون اول پر ہیں تو اسی پر اعتماد ہے — اور اسے آپ نے اور طحطاوی نے برقرار رکھا — باوجودے کہ آپ نے بارہا فرمایا — ان میں سے ایک موقع ردالمحتار کتاب الہبہ کا بھی ہے — کہ: اُسے یاد رکھنا جو علماء نے فرمایا ہے کہ امام قاضی خاں کی تصحیح سے عدول نہ کیا جائے گا کیونکہ وہ فقیہ النفس ہیں۔ اھ

اس تفصیل سے بحمدہٖ تعالیٰ روشن

ف۱: تاخیر الهدایة دلیل قول دلیل اعتماده۔

ف۲: قول الامام المذکور فی المتون مقدم علی ما صححه قاضی خان باکد الفاظ الفتوی۔

ف۳: لا یعدل عن تصحیح قاضی خان فانه فقیه النفس۔

۱؎ الدرالمختار	کتاب الطلاق باب تفویض الطلاق	مطبع مجتبائی دہلی	۱/۲۲۷
۲؎ ردالمحتار	کتاب الطلاق باب تفویض الطلاق	داراحیاء التراث العربی بیروت	۲/۴۸۰
۳؎ الدرالمختار	کتاب القسمۃ	مطبع مجتبائی دہلی	۲/۲۱۹
۴؎ ردالمحتار	کتاب الہبۃ	داراحیاء التراث العربی بیروت	۴/۵۱۳

الترجیح بکون القول قول الامام لایوازیه شئ واذا اختلف الترجیح وکان احدهما قول الامام فعلیه التعویل وکذا اذا لم یکن ترجیح فکیف اذا اتفقوا علی ترجیحه فلم یبق الا ما اتفقوا فیه علی ترجیح غیرہ۔

ہوگیا کہ کسی قول کے قولِ امام ہونے کے باعث ترجیح پانے کے مقابل کوئی چیز نہیں اور جب اختلافِ ترجیح کی صورت میں دو قولوں میں سے ایک قولِ امام ہو تو اسی پر اعتماد ہے۔۔ اسی طرح اُس وقت بھی جب کوئی ترجیح ہی موجود نہ ہو ۔۔ پھر اُس وقت کیا حال ہوگا جب سب اسی کی ترجیح پر متفق ہوں۔ تو اب کوئی صورت باقی نہ رہی سوا اُس کے جس میں دوسرے کی ترجیح پر سب متفق ہوں۔

فاذ أحمل کلامه علی ماوصفنا فلا شك فی صحته اذن بالنظر الی حاصل الحکم فانا نوافقه علی انا ناخذ بما اتفقوا علی ترجیحه انما یبقی الخلاف بیننا فی الطریق فهو اختاره بناء علی اتباع المرجحین و نحن نقول لایکون هذا الا فی محل احدی الحوامل فیکون هذا هو قول الامام الضروری وان خالف قوله الصوری بل عندنا ایضا مساغ ههنا لتقلید المشائخ فی بعض الصور علی ما یأتی بیانها۔

تو اگر علامہ شامی کا کلام اس پر محمول کرلیا جائے جو ہم نے بیان کیا تو اس صورت میں وہ بلا شبہہ حاصلِ حکم کے لحاظ سے صحیح ہوگا کیونکہ ہم بھی اِس پر اُن کی موافقت کرتے ہیں کہ ایسی صورت میں ہم اسی کو لیں گے جس کی ترجیح پر مشایخ کا اتفاق ہے۔ البتہ ہمارے اور ان کے درمیان طریقِ حکم کا فرق رہ جاتا ہے۔ انھوں نے اس حکم کو اتباعِ مرجّحین کی بنیاد پر اختیار کیا ہے اور ہم یہ کہتے ہیں کہ ایسا اسبابِ ستہ میں سے کسی ایک کے پائے جانے ہی کے موقع پر ہوگا تو یہی امام کا قولِ ضروری ہوگا اگرچہ وُہ ان کے قولِ صوری کے برخلاف ہو۔ بلکہ ہمارے نزدیک یہاں بعض صورتوں میں تقلیدِ مشائخ کی بھی گنجائش ہے جیسا کہ ان کا بیان آرہا ہے۔

ثم لاشك انه لایتقید بکونه قول احد الصاحبین بل ندورها مع الحوامل حیث دارت وان

پھر بلا شبہہ ایسے وقت میں اِس کی بھی پابندی نہیں کہ وہ دوسرا قول، صاحبین ہی میں سے کسی کا ہو بلکہ مدار حوادث پر ہوگا وُہ جہاں

كان قول زفر مثلاً على خلاف الائمة الثلثة كما ذكر۔

دائر ہوں اگرچہ وہ تینوں ائمہ کے برخلاف مثلاً امام زفر ہی کا قول ہو جیسا کہ پہلے ذکر ہوا۔

وما ذكر من سبرهم الدليل وسائر كلامه نشأ من الطريق الذي سلكه وح يبقى الخلاف بينه و بين البحر لفظيا فان البحر ايضا لاياْبى عند ذا العدول عن قول الامام الصوري الى قوله الضروري كيف وقد فعل مثله نفسه والوفاق اولٰى من الشقاق۔

اور وہ جو علامہ شامی نے ذکر کیا کہ مشائخ نے دلیل کی جانچ کر رکھی ہے اور باقی کلام، یہ سب اس طریق سے پیدا شدہ ہے جسے انھوں نے اپنایا۔ اور اب ان کے اور بحر کے درمیان صرف لفظی اختلاف رہ جائے گی۔ کیونکہ بحر بھی ایسی صورت میں امام کے قول صوری سے ان کے قول ضروری کی جانب عدول کے منکر نہیں۔ منکر کیسے ہوں گے ایسا تو انھوں نے خود کیا ہے — اور اتفاق، اختلاف سے بہتر ہے۔

ولعل مراد ابن الشلبي ان يصرح احد من المشائخ بالفتوى على قول غير الامام مع عدم مخالفة الباقين له صراحة ولا دلالة كاقتصارهم على قول الامام او تقديمه او تاخير دليله او الجواب عند دلائل غيره الى غير ذٰلك مما يعلم انهم يرجحون قول الامام كما اشار ابن الشلبي الى التصحيح دلالة وح لابد ان يظهر منهم مخايل وفاقهم لذٰلك المفتي فيدخل في صورة التثنيا۔

اور شاید ابن الشلبی کی مراد یہ ہے کہ مشائخ میں سے ایک نے غیر امام کے قول پر فتوی ہونے کی تصریح کی ہو اور دیگر حضرات نے صراحۃً اس کی مخالفت نہ کی ہو اور نہ ہی دلالۃً مثلاً یوں کہ قول امام پر اقتصار کریں، یا اسے پہلے بیان کریں، یا اس کی دلیل آخر میں لائیں، یا دوسرے حضرات کی دلیلوں کا جواب دیں، اسی طرح کی اور باتیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قول امام کو ترجیح دے رہے ہیں۔ جیسا کہ ابن الشلبی نے دلالۃً تصحیح کی جانب اشارہ کیا ہے۔ اور ایسی صورت میں دیگر حضرات سے اس مفتی کے ساتھ موافقت کے آثار و علامات نمودار ہونا ضروری ہے۔ کلام ابن شلبی کی یہ مراد لی جائے تو یہ بھی استثناء والی صورت میں داخل ہو جائے گا۔

ھذا فی جانب الشامی واما جانب البحر فرأیتنی کتبت فیما علقت علی رد المحتار فی کتاب القضاء مانصه۔

اقول محل کلام البحر حیث وجد الترجیح من ائمته فی جانب الامام ایضا کما فی مسألتی العصر والعشاء وان وجد اٰکد الفاظه وھو الفتوی من المشائخ فی جانب الصاحبین ولیس یرید ان المشائخ وان اجمعوا علی ترجیح قولھما لایعبؤ به ویجب علینا الافتاء بقول الامام فان ھذا لایقول به احد ممن له مساس بالفقه فکیف بھذا العلامة البحر ولن تری ابدا اجماع الائمة علی ترجیح قول غیرہ الا لتبدل مصلحة باختلاف الزمان وح لایجوز لنا مخالفة المشائخ (لانھا اذن مخالفة الامام عینا کما علمت) واما اذا اختلف الترجیح فرجحان قول الامام لانه قول الامام ارجح من رجحان قول غیرہ لارجحیة لفظ الافتاء به (او اکثریة المائلین الی ترجیحه) فھذا ما یریدہ

یہ گفتگو رہی شامی کے دفاع میں، اب رہا بحر کا معاملہ تو رد المحتار پر جو میں نے تعلیقات لکھی ہیں ان ہی میں کتاب القضا کے تحت میں نے دیکھا کہ یہ عبارت رقم کرچکا ہوں۔

اقول کلام بحر کا محل وہ صورت ہے جس میں ائمہ ترجیح سے جانبِ امام بھی ترجیح پائی جاتی ہو جیسے عصر وعشاء کے مسئلوں میں ہے اگرچہ مؤکد ترین لفظ ترجیح ـــــ مشائخ کا فتوٰی ـــــ صاحبین کی جانب ہو ـــــ بحر کی مراد یہ نہیں کہ مشائخ قولِ صاحبین کی ترجیح پر اجماع کرلیں تو بھی اس کا اعتبار نہیں اور ہم پر قولِ امام ہی پر فتوٰی دینا واجب ہے۔ کیوں کہ کوئی بھی شخص جسے فقہ سے کچھ مس ہے ایسی بات نہیں کہہ سکتا تو یہ علامہ بحر اس کے قائل کیسے ہوں گے؟ ـــــ اور ہرگز کبھی غیر امام کے قول کی ترجیح پر ائمہ ترجیح کا اجماع نظر نہ آئے گا مگر ایسی صورت میں جہاں اختلافِ زمانہ کی وجہ سے مصلحت تبدیل ہوگئی ہو۔ اور ایسی صورت میں ہمارے لئے مشائخ کے خلاف جانا روا نہیں (کیوں کہ یہ بعینہٖ امام کی مخالفت ہوگی جیسا کہ معلوم ہوا)۔ لیکن جب ترجیح مختلف ہو تو قولِ امام کا اس وجہ سے رجحان کہ وہ قولِ امام ہے زیادہ راجح ہوگا اور اس کے مقابلہ میں دوسرے کے قول کا لفظ افتاء کی ارجحیت (یا اس کی ترجیح کی طرف مائل ہونے والوں کی اکثریت) کے باعث رجحان اس سے

العلامة صاحب البحر و به يسقط ايراد العلامتين الرملي والشامي اھ ماكتبت مع زيادات منى الآن مابين الاهلة ۔

فبهذا تلتئم الكلمات ، و تأتلف الاشتات ، والحمد لله رب البريات ، و افضل الصلوات ، واكمل التسليمات ، على الامام الاعظم لجميع الكائنات ، و اٰله وصحبه و ابنه وحزبه اولى الخيرات ، والسعود والبركات ، عدد كل ما مضى وما هو آت، آمين والحمد لله رب العالمين والله سبحٰنه و تعالٰى ۔

ورأيت الناس يتحفون كتبهم الى ملوك الدنيا و انا العبد الحقير ، خدمت بهذه السطور ، ملكا فى الدين ، امام ائمة المجتهدين ، رضى الله تعالٰى عنه وعنهم اجمعين ، فان وقعت موقع القبول ، فذالك نهاية المسئول ، و منتهى المأمول ، وما ذٰلك على الله بعزيز ان ذٰلك على الله يسير ، ان الله على كل شئ قدير ،

فروتر ہوگا ۔ یہی علامہ صاحب بحر کی مراد ہے ۔ اور اسی سے علامہ رملی و علامہ شامی کا اعتراض ساقط ہوجاتا ہے اھ ۔ حواشی رد المحتار سے متعلق میری عبارت ختم ہوئی ، اور ہلالین کے درمیان کی عبارتیں اس وقت میں نے بڑھائی ہیں ۔

تو اس توضیح وتاویل سے تمام کلمات ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہوجاتے ہیں اور مختلف باتیں باہم متفق ہوجاتی ہیں ۔ اور تمام تر ستائش خدا کے لئے جو مخلوقات کا رب ہے ۔ اور بہتر درود ، کامل ترین تسلیمات ساری کائنات کے امام اعظم اور خیرات ، سعادات ، برکات والے ان کے آل ، اصحاب ، فرزند اور جماعت پر ، ہر گزشتہ و آئندہ کی تعداد میں ۔ الٰہی ! قبول فرما ۔ اور تمام تعریف خدا کے لئے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے ۔ اور پاکی و برتری والے خدا کو ہی خوب علم ہے ۔

میں نے دیکھا کہ لوگ شاہانِ دنیا کے دربار میں اپنی کتابوں کا تحفہ پیش کرتے ہیں ۔ اور بندۂ حقیر نے تو ان سطور سے دین کے ایک بادشاہ ، ائمۂ مجتہدین کے امام کی خدمت گزاری کی ہے ــــ اللہ تعالٰی ان سے اور ان سب مجتہدین سے راضی ہو ــــ تو یہ اگر مقامِ قبول پاجائیں تو یہی انتہائے مطلوب اور منتہائے امید ہے ــــ اور اللہ پر یہ کچھ دشوار نہیں ، بلاشبہہ یہ خدا پر آسان ہے ۔ یقیناً اللہ ہر شے پر قادر ہے ۔

و لله الحمد و اليه المصير، و صلى الله تعالٰى على المولى الاكرم، و اٰله و صحبه و بارك و سلّم، اٰمين!

اور اللہ ہی کے لئے حمد ہے اور اسی کی جانب رجوع ہے۔ اور اللہ تعالٰی درود و سلام نازل فرمائے آقائے اکرم اور اُن کی آل اصحاب پر اور برکت و سلامتی بخشے۔ الٰہی! قبول فرما۔

تنبیہ[ف]**: اقول** كون المحل محل احدى الحوامل ان كان بينا لا يلتبس فالعمل عليه و ما عداه لا نظر اليه وهذا طريق لمّي، و ان كان الامر مشتبها رجعنا الى ائمة الترجيح فان رأيناهم مجمعين على خلاف قول الامام علمنا ان المحل محلها و هذا طريق إنّي، و ان وجدناهم مختلفين فى الترجيح او لم يرجحوا شيئا عملنا بقول الامام و تركنا ما سواه من قول و ترجيح لان اختلافهم اما لان المحل ليس محلها فاذن لاعدول عن قول الامام او لانهم اختلفوا فى المحلية فلا يثبت القول الضروري بالشك فلا يترك قوله الصوري الثابت بيقين الا اذا تبيّنت لنا المحلية بالنظر فيما ذكرنا من الادلة او

تنبیہ: اقول چھ اسباب میں سے کسی ایک کا محل ہونا اگر واضح غیر مشتبہ ہو تو اسی پر عمل ہوگا اور ماسوا پر نظر نہ ہوگی یہ لِمّی طریقہ ہے۔ اور اگر معاملہ مشتبہ ہو تو ہم ائمہ ترجیح کی جانب رجوع کریں گے۔ اگر قولِ امام کے برخلاف انھیں اجماع کئے دیکھیں تو یقین کرلیں گے کہ یہ بھی اسبابِ ستّہ میں سے کسی ایک کا موقع ہے — یہ اِنّی طریقہ ہے — اور اگر انھیں ترجیح کے بارے میں مختلف پائیں، یا یہ دیکھیں کہ انھوں نے کسی کو ترجیح نہ دی تو ہم قولِ امام پر عمل کریں گے اور اس کے ماسوا قول و ترجیح کو ترک کر دیں گے کیوں کہ ان کا اختلاف یا تو اس لئے ہوگا کہ وہ اسبابِ ستّہ کا موقع نہیں — جب تو قولِ امام سے عدول ہی نہیں — یا اِس لئے ہوگا کہ اسبابِ ستّہ کا محل ہونے میں وہ باہم مختلف ہوگئے۔ تو قول ضروری شک سے ثابت نہ ہو پائے گا۔ اس لئے امام کا قولِ صوری جو یقین سے ثابت ہے ترک نہ کیا جائے گا — لیکن جب ہم پر اسبابِ ستّہ کا محل ہونا ان

ف: تنبيهان جليلان يتبين بهما ما يعمل به المقلد فى امثال المقام۔

بنی العادلون عن قوله الامر علیها وکانوا هم الاکثرین فنتبعهم ولا نتهمهم اما اذا لم یبنوا الامر علیها وانما حاموا حول الدلیل فقول الامام علیه التعویل هذا ما ظهر لی وارجو ان یکون صوابا ان شاء الله تعالٰی، والله تعالٰی اعلم۔

حضرات کی بیان کردہ دلیلوں میں نظر کرنے سے واضح ہو جائے، یا قولِ امام سے عدول کرنے والے حضرات نے اسی محلیت پر بنائے کار رکھی ہو اور وہی تعداد میں زیادہ بھی ہوں تو ہم ان کی پیروی کریں گے اور انھیں متہم نہ کریں گے — لیکن جب انھوں نے بنائے کار محلیت پر نہ رکھی ہو، بس دلیل کے گرد ان کی گردش ہو تو قولِ امام پر ہی اعتماد ہے — یہ وہ طریق عمل ہے جو مجھ پر منکشف ہوا اور امید رکھتا ہوں کہ ان شاء اللہ تعالٰی درست ہو گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

تنبیہ: اقول هذا کله اذا خالفوا الامام اما اذا فصلوا اجمالا، او اوضحوا اشکالا، او قیدوا ارسالا، کدأب الشراح مع المتون، وهم فی ذلک علی قوله ماشون، فهم اعلم منا بمراد الامام فان اتفقوا والا فالترجیح بقواعده المعلومة۔

تنبیہ: اقول یہ سب اُس وقت ہے جب وہ واقعی امام کے خلاف گئے ہوں لیکن جب وہ کسی اجمال کی تفصیل یا کسی اشکال کی توضیح، یا کسی اطلاق کی تقیید کریں جیسے متون میں شارحین کا عمل ہوتا ہے۔ اور وہ ان سب میں قولِ امام ہی پر گام زن ہوں تو وہ امام کی مراد ہم سے زیادہ جاننے والے ہیں — اب اگر وہ باہم متفق ہوں تو قطعاً اسی پر عمل ہو گا ورنہ ترجیح کے قواعد معلومہ کے تحت ترجیح دی جائے گی۔

وانما قیدنا بانهم فی ذلک علی قوله ماشون، لانه تقع هنا صورتان مثلاً قال الامام فی مسألة بالاطلاق وصاحباه بالتقیید فان اثبتوا الخلاف

ہم نے یہ قید لگائی کہ "وہ ان سب میں قولِ امام ہی پر گام زن ہوں" اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں دو صورتیں ہوتی ہیں — مثلاً امام کسی مسئلے میں اطلاق کے قائل ہیں اور صاحبین تقیید کے قائل ہیں۔ اب مرجحین اگر اختلاف کا

واختاروا قولهما فهٰذہ مخالفۃ وان نفوا الخلاف وذکروا ان مراد الامام ایضا لتقیید فهذا شرح، واللّٰہ تعالٰی اعلم، ولیکن هٰذا اٰخر الکلام، وافضل الصلٰوۃ والسلام، علی اکرم الکرام، واٰلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ الٰی یوم القیام، والحمد للّٰہ ذی الجلال والکرام۔

اِثبات کریں اور صاحبین کا قول اختیار کریں تو یہ مخالفت ہے ــــ اور اگر اختلاف کا انکار کریں اور یہ بتائیں کہ امام کی مراد بھی تقیید ہی ہے تو یہ شرح ہے ــــ واللہ تعالٰی اعلم ــــ یہی خاتمۂ کلام ہونا چاہئے ــــ اور بہتر درود وسلام کریموں میں سب سے کریم تر سرکار پر اور اُن کی آل، اصحاب، فرزند اور جماعت پر تا روزِ قیام۔ اور ہر ستائش بزرگی واکرام والے خدا کے لئے ہے۔ (ت)